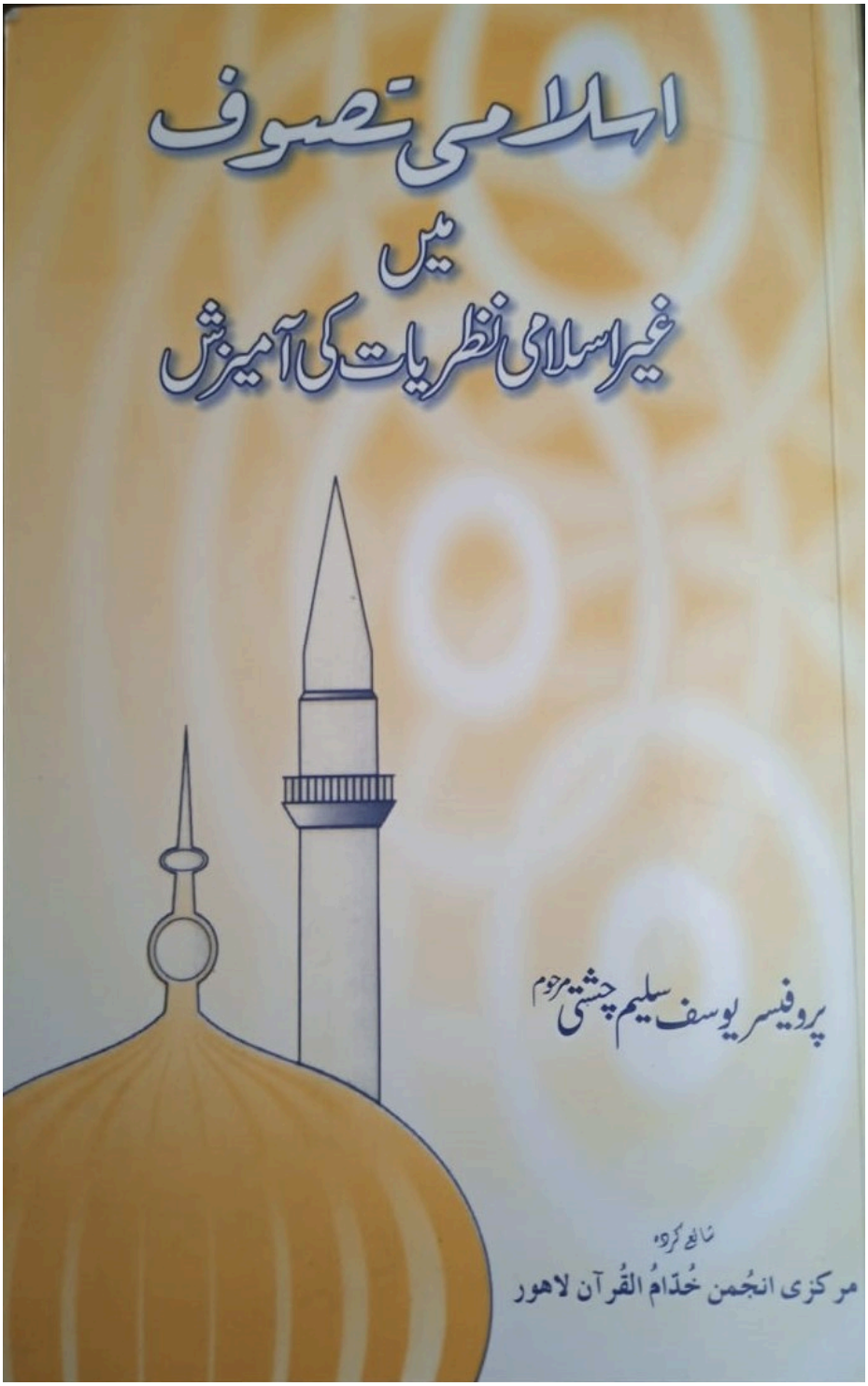

اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

.

تقریظ

از قلم : مولانا امین احسن اصلاحی
(تحریر کردہ: ستمبر ۱۹۷۶ئ)

یہ مقالہ ہمارے محترم دوست، پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی ایک غیر مطبوعہ کتاب کا ایک باب ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو میثاق کے صفحات میں شائع کیا گیا تو میثاق کے قارئین اور دوسرے علمی و مذہبی حلقوں میں نہایت پسند کیا گیا، یہاں تک کہ اس کے قدردانوں کے شدید اصرار پر اب اس کو کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ پروفیسر صاحب موصوف کے متعلق یہ بات اس مقالہ کے پڑھنے والوں کے علم میں رہنی چاہیے کہ وہ تصوف کے مخالفوں میں سے نہیں بلکہ اس کے پرزور حامیوں میں ہیں۔ مذکورہ بالا کتاب، جس سے یہ مقالہ لیا گیا ہے، تصوف کی حمایت اور اس کے مبادی و مقاصد کی وضاحت ہی میں موصوف نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے لکھی ہے۔ وہ خود ایک سلسلہ تصوف میں مرید، مزاجاً صوفی اور تصوف پسند ہیں۔ لیکن اس کوچہ کی عام روایت کے خلاف ان کے اندر دو باتیں قابل رشک بلکہ قابل تقلید ہیں۔ ایک یہ کہ ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے، دوسری یہ کہ وہ وسعت مطالعہ کے ساتھ نہایت گہری تنقید کی صلاحیت کے بھی مالک ہیں اور یہ دونوں وصف بیک وقت کسی شخص، بالخصوص ایک صوفی مزاج شخص، میں مشکل ہی سے جمع ہوتے ہیں۔

میں خود اس مقالے سے غایت درجہ متاثر ہوا ہوں۔ اربابِ تصوف کی چیزیں پڑھتے ہوئے مجھے ہمیشہ ان کی کتاب و سنت سے ہٹی ہوئی باتوں سے وحشت ہوتی تھی۔ میں ان چیزوں کو خود تصوف کی خرابی پر محمول کرتا تھا، لیکن پروفیسر صاحب کے اس مقالہ سے مجھ پر پہلی مرتبہ یہ بات بدلائل واضح ہوئی کہ ہمارے تصوف میں بھی انہی چور دروازوں میں سے بہت

سے فتنے داخل ہوئے ہیں جن سے تاریخ، حدیث، فقہ، تفسیر، ادب اور فلسفہ میں داخل ہوئے ہیں۔ اس حقیقت کے واضح ہونے سے نفس تصوف سے میری بیزاری کم ہوئی ہے۔ اب میں زیادہ قصور ان لوگوں کا سمجھتا ہوں جو اپنی سادگی اور عامیانہ تقلید کے سبب سے روافض اور سبائیوں کی دسیسہ کاریوں سے آگاہ نہ ہو سکے اور تصوف کے چشمہ

صافی کو انہوں نے ایک جوہڑ بنا کے رکھ دیا۔

مجھے اس احساس سے دلی مسرت ہوتی ہے کہ اس دور میں جس طرح عالمانہ تنقید کا نہایت اعلیٰ کام بعض اہل قلم سے تاریخ پر ہو رہا ہے اسی طرح کے تنقیدی کام کی بنیاد تصوف سے متعلق ہمارے محترم پروفیسر صاحب نے اپنے اس بیش قیمت مقالے سے رکھ دی ہے۔ ساری مشکل بس پہلا چراغ جلانے میں ہوتی ہے۔ ایک چراغ جل گیا تو اسی ایک سے بہت سے چراغ جلائے جا سکیں گے۔ ہمیں توقع ہے کہ یہ مقالہ بہتوں کے لیے رہنما ثابت ہو گا' اور کیا عجب کہ اس سے دوسرے اصحابِ علم کو بھی اس موضوع پر کام کرنے کا حوصلہ ہو اور وہ نہ صرف سارے صوفیانہ لٹریچر بلکہ خود تصوف کے اصول و مبادی کو بھی کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھ کے اس کے کھرے اورکھوٹے میں ایسا امتیاز قائم کر دیں کہ ایک عام آدمی بھی دھوکے سے محفوظ ہوجائے۔ میں علیٰ وجہ البصیرت یہ رائے رکھتا ہوں کہ معاملہ صرف تصوف کی کتابوں میں الحاق ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ خود ہمارے صوفیاء نے بھی بہت سے ایسے اصول باطنی فلسفیوں کے ہاتھوں اپنا لیے ہیں جو اَب تصوف کے مسلّمات میں سے سمجھے جانے لگے ہیں' حالانکہ ان کو کتاب و سنت سے کوئی دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ میں نے اس طرح کی بعض چیزوں کا اپنی کتاب ''تزکیۂ نفس'' میں حوالہ دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس نقطہ نظر سے ان بزرگوں کی کتابوں کا خاص طور پر جائزہ لیا جائے جن کی ہر چیز ہمارے ہاں ماخذ و مرجع سمجھی جاتی ہے اور ان پر کسی تنقید کی جرأت لوگ آسانی سے نہیں کرتے۔

تنقید کے ضمن میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ علم و تحقیق کے ساتھ جو تنقید ہوتی ہے وہ علوم کے لیے آبِ حیات ہے ۔ اسی سے علم کو سیرابی ' تازگی' شادابی اور زندگی حاصل ہوتی ہے اور یہ زندگی ٔملت میں حرکت و عمل کی لہرپیدا کرتی ہے۔ اگر یہ چیز ناپید ہو جائے تو فکر ونظر کی قوتیں جامد اور حرکت و عمل کی صلاحیتیں مفلوج ہوکر رہ جاتی ہیں اور اس صورتحال سے وہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو دین و ایمان کے دشمن ہوتے ہیں۔ وہ یا تو الحاقی چیزوں کو بنیاد قرار دے کر ان پر

گمراہی کا ایک پورا فلسفہ تیار کر دیتے ہیں یا ان کی آڑ لے کر دین کی بنیادی باتوں پر بھی حملہ کردیتے ہیں۔ اِس وقت بدقسمتی سے ہم اسی صورتحال سے دوچار ہیں۔ ایک طرف جمود اور عامیانہ تقلید کی بے حسی ہے' اور دوسری طرف خود سرانہ اور جاہلانہ تنقید کی بے راہ روی۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان خفتہ پاسبانوں اور ان بے باک لٹیروں کے ہاتھوں تمام متاعِ ملت تاراج ہو رہی ہے۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو متاعِ ملت کی حفاظت کے لیے اپنے اندر غیرت و حمیت بھی رکھتے ہوں اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ بصیرت بھی عطا فرمائی ہو جس سے وہ کھرے اور کھوٹے میں امتیاز اور اصلی و الحاقی میں فرق کر سکیں' باطل کو مٹائیں اور جو حق ہے اس کو دلائل کی تازہ دم کمک کے ساتھ میدان میں

لائیں۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کا یہ مقالہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بصیرت سے نوازا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی صحت‘ عمر اور اوقات میں برکت دے کہ وہ اس قسم کی بہت سی مفید چیزیں لکھ سکیں۔

میں ڈاکٹر اسرار احمد سلمہٗ کو بھی مبارک باد دیتا ہوں کہ وہ اس قیمتی مقالہ کو پروفیسر صاحب کے خزانۂ مسودات سے برآمد کرنے میں کامیاب ہوئے اور اس کو اس کے قدردانوں تک پہنچانے کا اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کارِ خیر کے لیے ان کو جزائے خیر دے!

دیباچہ

یہ کتابچہ میری زیرتالیف کتاب ’’تاریخ تصوف‘‘ کا ایک باب (۱) ہے‘ جس میں ان عناصر اور عوامل کی نشان دہی ہے جن کی وجہ سے اسلامی تصوف میں‘ جو دراصل دین اسلام کی روح اور اس کی جان ہے‘ غیر اسلامی عقائد کی آمیزش ہو گئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف جدید تعلیم یافتہ طبقہ نفس تصوف ہی سے بدظن ہو گیا اور دوسری طرف خود یہ غیر اسلامی تصوف اپنی ساری افادیت کھو بیٹھا‘ بلکہ جہلاء کے حق میں تو افیون بن گیا اور اہل خانقاہ کے حق میں بے عملی کا بہانہ بن گیا۔

اقبال نے اپنے اردو اور فارسی کلام میں جگہ جگہ اسی غیر اسلامی تصوف کی مذمت کی ہے اور بلاشبہ یہ ہے بھی مذمت کے لائق۔ یہ اسی غیر اسلامی تصوف کا نتیجہ ہے کہ وہ خانقاہیں جہاں مسلمانوں کو ایزدپرستی کا درس دیا جاتا تھا آج شخصیت پرستی بلکہ قبرپرستی کا مرکز بنی ہوئی ہیں‘ اور جہاں ہر طرف اتباعِ رسول ﷺ کے جلوے نظر آتے تھے‘ آج وہ خانقاہیں قوالی کی محفلوں میں تبدیل ہو گئی ہیں‘ بلکہ شرک و بدعت کا مرجع بن گئی ہیں ؎

یہ معاملے ہیں نازک‘ جو تری رضا ہو تو کر
کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریق خانقاہی

(اقبال)

میں محترمی و مکرمی مولانا امین احسن اصلاحی کا بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کتابچے کے لیے پیش لفظ لکھ کر میری حوصلہ افزائی کی اور برادرم اسرار احمد سلمہٗ کے حق میں دعائے خیر کرتا ہوں کہ انہوں نے اس کی طباعت کا انتظام کیا۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس ضخیم کتاب کے مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وابستۂ دامنِ حضرت مدنیؒ فقیر یوسف سلیم چشتی

---

(۱) چشتی صاحب مرحوم کی مذکورہ کتاب محکمہ اوقاف کے زیر اہتمام شائع ہوئی' لیکن یہ خاص باب جس پر زیر نظر کتاب مشتمل ہے' بوجوہ اس میں شامل نہیں کیا گیا۔ گویا ''تاریخ تصوف'' کا یہ اہم باب اصل کتاب میں دستیاب نہیں ہے۔

مسلمانوں میں
غیر اسلامی تصوف کی اشاعت کے اسباب

اس سے پہلے ہم یہ ثابت کر چکے ہیں(۱) کہ اسلامی تصوف قرآن و حدیث (سنت نبویؐ) سے ماخوذ ہے اور اس کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں:(۱) توحید خالص (۲) تبلیغ دین (۳) اتباعِ شریعت (۴) خدمتِ خلق (۵) جہاد --- لیکن اس میں شک نہیں کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف بھی راہ پا گیا' اور یہ تصوف چونکہ عجمی یا غیر اسلامی تھا اس لیے اس کے اجزائے ترکیبی اسلامی تصوف کی ضد تھے' یعنی (۱) شرک (حلول و اتحاد و انسان پرستی و تجسم وتناسخ ارواح) (۲) رہبانیت (۳) تخریبِ دین (۴) اباحتِ مطلقہ (۵) نفاق اور مداہنت (۲)۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن القیمؒ سے لے کر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب تک' ملتِ اسلامیہ کے تمام مجددین اور اولیائے اُمت نے اپنی

پوری قوت کے ساتھ اس غیر اسلامی تصوف کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا' اور مسلمانوں کو اس کے مفاسد سے آگاہ کر کے بلاخوف لومۃ لائم اپنا فرضِ منصبی انجام دیا۔

بہرکیف جس طرح بعض مسلمانوں کی گمراہی سے اسلام پر کوئی حرف نہیں آ سکتا اسی طرح بعض صوفیوں کی گمراہی سے اسلامی تصوف موردِ طعن نہیں بن سکتا۔ آئندہ سطور میں ہم یہ دکھا دیں گے کہ مسلمانوں میں غیر اسلامی یا عجمی تصوف کی اشاعت کے اسباب کیا تھے۔ یہ بحث بہت تفصیل طلب ہے مگر اس کتاب میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے' اس لیے ہم اجمال پر اکتفا کریں گے۔

---

(۱) ملاحظہ ہو ''تاریخ تصوف'' کا باب ''اسلامی تصوف''۔

(۲) ترجمانِ حقیقت اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے اس شعر میں انہی مفاسد کی طرف اشارہ کیا ہے: بہت ہی کم پائے اپنے عارف کلامِ باری نے ہم میں آکر
سرے سے بگڑا ہے سچ جو پوچھو عرب کا مذہب عجم میں آکر

پہلی بحث

ابتدائے اسلام سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کے وسط تک مسلمانوں میں کوئی فرقہ نہ تھا' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں مسلمانوں کو حزب اللہ قرار دیا گیا ہے:

{ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰہِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۲﴾ } (المجادلۃ)

''یہ لوگ (جن کی صفات اوپر بیان ہو چکی ہیں) اللہ کی پارٹی یا جماعت یا فوج ہیں' اور آگاہ ہو جائو کہ یقیناً اللہ ہی کی جماعت فلاح پائے گی۔''

ظاہر ہے کہ اگر کسی فوج یا جماعت میں تفرقہ پیدا ہو جائے تو اس کا خاتمہ یا مغلوب ہو کر غلام ہو جانا اور اپنی ہستی سے محروم ہو جانا یقینی ہے۔ اس لیے ازروئے عقل و نقل مسلمانوں میں کوئی فرقہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا تھا اور اسی لیے اللہ نے قرآن حکیم میں بار بار مسلمانوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ دیکھو! اپنے اندر فرقہ بندی' گروہ بندی' تشتّت' افتراق یا پارٹی بازی کو راہ نہ دینا' ورنہ تباہ ہو جائو گے۔ بخوفِ طوالت' صرف چند آیتوں پر اکتفا کرتا ہوں:

(۱) {وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا ۪} (آل عمران:۱۰۳)

''(اے مسلمانو!) تم سب مل کر اللہ کی رسّی (قرآن) کو مضبوطی سے تھام لو اور مختلف فرقوں میں منقسم مت ہو۔''

(ب) {وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ} (آل عمران:۱۰۵)

''اور (اے مسلمانو!) ان لوگوں (یہود و نصاریٰ) کی طرح مت ہو جانا جو مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور جنہوں نے اللہ کی طرف سے واضح دلیلیں آ جانے کے بعد بھی آپس میں اختلاف کیا (اور اس اختلاف کی وجہ سے ان میں عقائد کی خرابیاں پیدا ہو گئیں)۔''

(ج) {اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ} (الانعام:۱۶۰)

''جن لوگوں (مسلمانوں) نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی فرقوں میں منقسم ہو گئے، آپؐ کو ان سے کوئی علاقہ یا سروکار نہیں ہے۔''

(د) {وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ} (الانفال:۴۶)

''(اے مسلمانو!) آپس میں نزاع (جھگڑا) مت کرو (کیونکہ نزاع سے تفرقہ پیدا ہو گا اور فرقہ بندی سے) تمہارے اندر بزدلی پیدا ہو گی اور (اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ) تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی، اور (دشمن کے مقابلے میں) ثابت قدم رہو!''

اس آخری آیت سے فرقہ بندی کی مضرت کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوا کہ قرآن کا نازل

کرنے والا مسلمانوں کو ایک متحد الخیال اور متحد المقصد فوج کے افراد قرار دیتا ہے، جن کے حق میں اختلاف سمِ قاتل سے بھی زیادہ مہلک ہے۔ اسی لیے انہیں متنبہ کرتا ہے کہ دیکھنا! کہیں آپس میں نزاع کو راہ نہ دینا اور فرقوں میں منقسم نہ ہو جانا، کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمہاری جماعت کے اندر مختلف الخیال گروہ (فرقے) پیدا ہو جائیں گے اور فرقہ بندی کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم آپس میں لڑو گے اور آپس کی لڑائی کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب اُٹھ جائے گا، بالفاظِ دیگر تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی اور تمہارے اندر بزدلی پیدا ہو جائے گی۔ اس تنبیہ کے بعد آخری نصیحت یہ فرمائی کہ دشمنوں کے مقابلے میں ثابت قدم رہو!

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تجربہ کار سپہ سالار اپنی فوج کے جوانوں کو نصیحت کر رہا ہے۔ فی الجملہ اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ قرآن حکیم مسلمانوں کو اللہ کی فوج قرار دیتا ہے اور اس کی مزید تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

{اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾} (المجادلۃ)

''یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں، اور آگاہ ہو جاؤ کہ شیطان کے گروہ کے لوگ ہی گھاٹے میں رہیں گے۔'' (۳)

یہ حقیقت کہ قرآن کی رو سے (اللہ کی نگاہ میں) مسلمان قوم یا ملت ِاسلامیہ اللہ کی فوج ہے' اس آیت سے بھی ثابت ہوتی ہے:

{اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ صَفًّا کَاَنَّہُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ ﴿۴﴾} (الصّف)

''بلاشبہ اللہ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے جو اس کی راہ میں اس طرح صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔''

چونکہ مسلمان اللہ کی فوج ہیں اسی لیے ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کرنے کے لیے تیاری سے غافل نہ ہوں:

{وَاَعِدُّوۡا لَہُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّۃٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَیۡلِ تُرۡہِبُوۡنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمۡ...} (الانفال: ۶۰)

---

(۳)قرآن کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو صرف دو جماعتوں میں تقسیم کیا ہے: (۱) حزب اللہ (اللہ کی جماعت) ... (۲) حزب الشیطان (شیطان کی جماعت)۔ ان دو کے علاوہ جس قدر جماعتیں ہیں وہ انسانوں نے خود بنائی ہیں۔

''(اے مسلمانو!) دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیاری کرو جس قدر تم سے ممکن ہو سکے' یعنی مادی قوت فراہم کرو اور گھوڑے باندھو (یعنی پلٹن اور رسالے تیار کرو)۔''

اس سلسلے میں قولِ فیصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا ہے۔ یعنی جس طرح دنیاوی حکومتوں میں یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک شخص فوج میں بھرتی ہوتا ہے تو اسی وقت سے وہ اپنی زندگی اور اپنی مرضی فوج کے افسر کے حوالے کر دیتا ہے' ٹھیک اسی طرح ایک شخص جب کلمہ پڑھ لیتا ہے تو حزب اللہ میں داخل ہو جاتا ہے اور اسے اپنی جان یا اپنے مال پر کوئی اختیار باقی نہیں رہتا:

{اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ ؕ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَیَقۡتُلُوۡنَ وَ یُقۡتَلُوۡنَ} (التوبۃ: ۱۱۱)

''اللہ نے مؤمنوں سے اُن کی جانوں اور اُن کے مالوں کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔ (اب ان کا کام صرف یہ ہے کہ) وہ اللہ کی راہ میں لڑیں گے (جس کا نتیجہ لازمی طور سے یہ ہو گا کہ) وہ قتل کریں گے اور قتل ہوں گے۔''

قرآن مجید میں اس نوعیت کی آیتیں بہت سی ہیں۔ ایضاحِ مقصد کے لیے اتنی ہی آیتیں کافی ہیں۔ قرآن حکیم نے مسلمانوں کی امتیازی صفت یہ بیان کی ہے:

{مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ...} (الفتح:۲۹)

''(حضرت) محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں' اور جو لوگ آپ (ﷺ) کے ساتھ ہیں (ان کی شناخت یہ ہے کہ) وہ کافروں پر سخت ہیں (مگر) آپس میں رحیم ہیں...''

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ فرقہ بندی اسلام کی ضد ہے' کیونکہ فرقہ بندی کا لازمی نتیجہ آپس میں نزاع ہے۔

بلاشبہ قرآن حکیم نے مسلمانوں کو ''خدائی فوج دار'' قرار دیا ہے' یعنی ان کا کام یہ ہے کہ وہ دنیا سے برائی کو مٹائیں اور نیکی کی اشاعت کریں۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

{کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْہَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ؕ} (آل عمران:۱۱۰)

''(اے مسلمانو!) تم دنیا میں بہترین جماعت ہو جو انسانوں کے لیے برپا کی گئی ہے' تم (ان کو) نیکی کا حکم دو گے اور برائیوں سے منع کرو گے اور اللہ پر پختہ ایمان رکھو گے۔''

ظاہر ہے کہ اگر مسلمان خود مختلف فرقوں میں منقسم ہوجائیں گے تو نہ ان میں اتحاد باقی رہے گا' نہ دوسروں کی اصلاح کا جذبہ باقی رہے گا اور نہ اس کے لیے وقت مل سکے گا۔ جو جماعت آپس میں لڑنے لگتی ہے وہ خود محتاجِ اصلاح ہو جاتی ہے۔

قصۂ کوتاہ قرآن کی ان صریح آیتوں سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ فرقہ بندی اسلام کی ضد ہے اور منشائِ ایزدی کی عملاً تردید ہے۔

یہ آیتیں صدرِ اوّل کے مسلمانوں کے سامنے تھیں اور حضور ﷺ نے ۲۳ سال کی مدت میں ان کے اندر وحدتِ افکار و کردار پیدا کر دی تھی۔ تمام مسلمانوں کے سامنے ایک ہی مقصد تھا اور ایک ہی نصب العین تھا' یعنی اعلائِ کلمۃ الحق' اللہ کے کلمے (قرآن) کو دنیا میں بلند کرنا۔ ان کا جینا اور مرنا سب اللہ ہی کے لیے تھا۔ (۴)

اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر فطرتِ انسانی کا عالم اور کون ہو سکتا ہے؟ انسان کی فطرت یہ ہے کہ اگر وہ کسی شخصیت کو اپنا مقصود بنا لے اور اس کے لیے اپنی زندگی بسر کرنے لگے تو رفتہ رفتہ وہ خدا پرستی سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب غیر اللہ مطمحِ نظر اور مقصودِ حیات بن گیا تو اللہ خود بخود نگاہ اور دل و دماغ سب سے اوجھل ہوجائے گا۔ اور شخصیت پرستی چونکہ شرکِ عظیم ہے اس لیے مسلمان' مسلمان نہیں رہ سکتا' مشرک ہو جائے گا' ویسا ہی مشرک جیسا کہ عیسیٰ یا کرشن یا لات و ہبل کا پرستار۔

اس لیے قرآن نے شخصیت پرستی کا خاتمہ کر دیا' اور تاریخ مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنے سے یہ بات

ثابت ہو سکتی ہے کہ قرآن سے بڑھ کر کسی الہامی یا آسمانی کتاب نے شخصیت پرستی کی تردید نہیں کی۔ کسی انسان کی پرستش کی بنیادیہ عقیدہ ہے کہ اس انسان میں الوہیت کا رنگ پایا جاتا ہے۔ اسی عقیدے نے رفتہ رفتہ تجسم یا حلول یا اوتار کے عقیدے کی شکل اختیار کرلی۔ دنیا میں جن جن انسانوں کی پرستش کی گئی ہے پہلے اُن میں الوہیت تسلیم کی گئی ' پھر ان کی پرستش شروع ہوئی۔ اسی لیے قرآن نے شخصیت پرستی کا جس خوبی سے سدباب کیا ہے وہ مذاہب عالم کی تاریخ میں بے نظیر ہے۔

(ا) مسلمانوں کو حکم دیا کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت سے پہلے آپؐ کی بشریت اور عبدیت

---

(۴) {قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَ نُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَ مَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۱۶۲﴾} (الانعام) ''آپ کہہ دیجیے کہ بلاشبہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لیے ہے جو ساری کائنات کا رب ہے۔''

کا اقرار کریں۔

اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

اس کلمۂ شہادت میں عَبْدُہٗ پہلے ہے اور رَسُوْلُہٗ بعد میں ہے۔

(ب) {قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ ...} (الکہف:۱۱۰)

''(اے رسول!) آپ اعلان کر دیجیے کہ میں تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں۔''

(ج) {وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ ؕ} (اٰل عمران:۱۴۴)

'اور (حضرت) محمد (ﷺ) نہیں ہیں مگر ایک رسول' ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو (اے مسلمانو!) کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟ (یعنی اسلام چھوڑ دو گے؟)''

اس نص صریح سے ثابت ہوا کہ اسلام کی روح خدا پرستی ہے' شخصیت پرستی نہیں ہے' خواہ وہ شخصیت رسول ہی کی کیوں نہ ہو۔ اب یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اسلام میں کوئی شخصیت رسول اللہ ﷺ سے اَرفع نہیں ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اسلام کو رسول اللہ ﷺ کی شخصیت سے وابستہ نہیں کیا---تا بہ دیگراں چہ رسد؟

اسلام کی تاریخ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلے انہوں نے مسلمانوں کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ اسلام شخصیت پرستی کا نام نہیں ہے' بلکہ خدا پرستی کا نام ہے' یعنی مسلمان

کا مطلوب و مقصود صرف اللہ ہے جو حیّ لا یموت ہے۔

جب سالم بن عبید رضی اللہ عنہ کے ذریعے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حادثۂ رحلت سرورِ عالم ﷺ کی خبر پہنچی تو آنجنابؓ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر کاشانۂ نبوت میں تشریف لائے' آنحضرت ﷺ کے جسد اطہر کے قریب کھڑے ہو کر رُخِ روشن سے چادر اٹھائی' پیشانی مبارک پر بوسہ دیا' گریہ کناں آپ ﷺ کو مخاطب کر کے یوں گویا ہوئے:

''میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں! آپؐ زندگی میں بھی پاک اور صاف رہے اور اب موت کے بعد بھی پاک اور صاف ہیں۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اللہ آپؐ کو ہرگز دو موتیں نہیں دے گا۔ وہ موت جو اللہ نے آپؐ کے لیے مقدر کر دی تھی وہ تو آپ کو آ ہی گئی۔''

یہ کہہ کر مسجد نبویؐ میں تشریف لائے۔ یہاں عجیب کہرام مچا ہوا تھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کہہ رہے

تھے کہ حضور ﷺ کی وفات نہیں ہوئی ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں سمجھایا اور کہا بیٹھ جائو۔ وہ بیٹھ گئے تو آنجنابؓ نے تقریر شروع کی۔ حمد وثنا کے بعد فرمایا:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ فَإِنَّ مُحَمَّدًا ﷺ قَدْ مَاتَ' وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ فَإِنَّ اللهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ' قَالَ اللهُ تَعَالٰى: {وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾} (صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب الدخول علی المیت بعد الموت اذا ادرج فی الکفانہ)

''پس تم میں سے جو شخص حضرت محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ بلاشبہ آنحضرت ﷺ وفات پا گئے' لیکن جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ بے شک زندہ ہے جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''محمد(ﷺ) نہیں ہیں مگر (اللہ کے) ایک رسول۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ پس اگر ان کو موت آجائے یا وہ قتل کر دیے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے کو لوٹ جائو گے؟ (اسلام ترک کر دو گے؟) اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا' اور اللہ شکر کرنے والوں کو عنقریب جزا دے گا!''

یہ تقریر سن کر حاضرین پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ لیکن ساتھ ہی انہیں ایسا معلوم ہوا کہ یہ آخری آیت گویا انہیں معلوم ہی نہ تھی۔ اب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کی تلاوت کی تو اُن کی آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا' اور یہ آیت اس قدر مؤثر ثابت ہوئی کہ ہر شخص اس کی تلاوت کر رہا تھا۔

خلاصۂ کلام ایں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ اور حضرات شیخین (رضی اللہ عنہما) نے زبانی تعلیم اور اپنے

طرزِ عمل سے یہ بنیادی حقیقت مسلمانوں کے دلوں میں جاگزیں کر دی تھی کہ فرقہ بندی اسلام کی ضد ہے اور مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی کے حق میں سمِ قاتل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد نبویؐ اور عہدِ خلافتِ شیخین میں کوئی فرقہ موجود نہ تھا۔ اور اس وحدتِ فکر و عمل ہی کا یہ ثمرہ تھا کہ مسلمانوں نے خلافتِ شیخین ؓ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی دور میں عدیم المثال کامیابی حاصل کی جس کی تفصیل تاریخ اسلام کے صفحات سے واضح ہو سکتی ہے۔ یہ کامیابی اس

قدر حیرت انگیز ہے کہ آج تک بہت سے غیر مسلم مؤرخین کے لیے ایک عقدۂ لاینحل بنی ہوئی ہے۔ اقبال نے اسی عقدے کو اس شعر میں حل کیا ہے ؎

وحدتِ افکار و کردار آفریں
تا شوی اندر جہاں صاحب نگیں !

(۵)

دوسری بحث

مسلمانوں کے ہاتھوں یہود کو جو ذلت نصیب ہوئی اس کی خلش ان کے دل سے کبھی محو نہ ہو سکی۔ چنانچہ مسلمانوں کی طاقت کو ضعف پہنچانے اور اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں یمن کے ایک یہودی عبداللہ بن سبا نے مدینہ میں آکر منافقانہ طور پر اسلام قبول کیا۔

کسی یہودی کے لیے مسلکِ نفاق اختیار کرنا کوئی نئی یا دشوار بات نہیں تھی، خود حضور انور ﷺ کے عہدِ مبارک میں عبداللہ بن اُبی نے منافقانہ طور پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ جب تک زندہ رہا 'فتنہ پردازی میں مشغول رہا' لیکن حضورِ انور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں دین حق میں کسی قسم کے باطل کی آمیزش نہ کر سکا۔ چونکہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا کوئی تاریخی شخصیت نہیں ہے 'اس لیے اس کی فتنہ پردازی کی داستان قلم بند کرنے سے پہلے چند تاریخی شواہد پیش کرنا ضروری ہیں تاکہ اس کی شخصیت متحقق ہو جائے۔

(۱) مہدی توحیدی پور (پیرو مذہب شیعہ) نفحات الانفس (جامیؒ) کے مقدمے میں صفحہ ۲۹ پر لکھتا ہے :

"اوّلین کسیکہ نسبتِ الوھیت بحضرت امیر داد ' عبد اللہ بن سبا بود کہ در زمانِ آنحضرت زندگی میکرد۔"

''پہلا شخص جس نے حضرت امیر کو الوہیت سے نسبت دی' عبداللہ بن سبا تھا' جس نے آنحضرت (علیؓ) کے زمانے میں زندگی بسر کی۔''

(۲) ڈاکٹر کلین (Klein) ''الابانۃ عن اصول الدیانۃ'' کے انگریزی ترجمے کے مقدمے میں صفحہ ۷'۸ پر لکھتا ہے:

''عبداللہ بن سبا یہودی نو مسلم نے جب حضرت علیؓ سے ملاقات کی تو اُن سے یہ کہہ کر مخاطب ہوا: ''اَنْتَ اَنْتَ''۔ اس جملے سے اس کا مطلب یہ تھا کہ تو خدا ہے۔ یہ سن کر

---

(۵) ''اپنے افکار اور کردار میں یکسانیت پیدا کرو' تاکہ تم اس جہان کے پوشیدہ راز دیکھ سکو۔''

حضرت علیؓ نے اسے جلاوطن کر دیا' کیونکہ ان کی رائے میں یہ جملہ کفر صریح تھا۔ لیکن عبداللہ بن سبا کے پیروؤں کے دلوں میں یہ عقیدہ جاگزیں ہوچکا تھا کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے۔ نیز یہ کہ ان کے اندر الوہیت کا ایک جزء حلول کر گیا تھا اور یہ جزء الوہیت بصورت تناسخ ارواح ان کے جانشینوں میں درجہ بدرجہ منتقل ہوتا رہا۔''

(۳) سر ولیم میور (Muir) اپنی تصنیف ''الخلافت --- اس کا عروج' انحطاط اور زوال'' میں صفحہ ۲۱۶ پر لکھتا ہے:

''۳۲ھ میں جبکہ ابن عامر بصرہ کا گورنر تھا' عبداللہ بن سبا نے' جسے عام طور سے ابن سوداء کہتے تھے' بصرہ میں آکر اسلام قبول کیا' لیکن بہت جلد یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ وہ دراصل حکومت ِوقت کے خلاف شدید باغیانہ خیالات رکھتا تھا' بلکہ اس کی ذات مجسم بغاوت تھی۔ چنانچہ ان ہی باغیانہ خیالات کی وجہ سے اسے بصرہ' کوفہ اور دِمشق سے پے در پے جلاوطن کیا گیا۔ انجام کار مصر میں اسے گوشہ ٔعافیت میسر آگیا اور یہاں بیٹھ کر اس نے عجیب و غریب' بلکہ ہوشربا اور سراسر اسلام کے خلاف عقائد کی اشاعت شروع کی۔ مثلاً: (ا) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ (ب) فی الحال حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی' وارث یا جانشین ہیں۔ (ج) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (نعوذ باللہ منہ) غاصب ہیں' اس لیے جب تک ان کی حکومت کا قلع قمع نہیں کیا جائے گا اس وقت تک صداقت اور عدالت کا قیام ناممکن ہے۔ ''

مصر میں ان عقائد کو بہت جلد قبولیت حاصل ہو گئی۔

(۴) پروفیسر نکلسن اپنی تصنیف ''عربوں کی ادبی تاریخ'' میں صفحہ ۲۱۵ پر لکھتا ہے:

''عبداللہ بن سبا (جس کا صحیح تلفظ سباع ہے) یمن کے شہر صنعاء کا باشندہ تھا اور دراصل یہودی تھا۔ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں اسلام لایا اور بظاہر ایک گشتی مبلغ بن گیا۔ طبری کہتا ہے کہ اس نے مختلف شہروں کا سفر کیا اور اس کا مقصد مسلمانوں کو گمراہ کرنا تھا۔ انجام کار اس نے مصر میں سکونت اختیار کر لی۔ یہاں اس نے مسلمانوں کو ''رجعت'' کی تعلیم دینا شروع کی۔ یعنی اس نے مسلمانوں سے کہا کہ یہ بات صداقت سے کس قدر بعید ہے کہ ایک مسلمان اس بات پر تو ایمان رکھتا ہے کہ مسیحؑ دوبارہ دنیا میں آئیں گے لیکن آنحضرت (ﷺ) کی رجعت کا انکار کرتا ہے' حالانکہ خدا نے قرآن مجید

(القصص:۸۵) میں اعلان فرمایا ہے کہ وہ دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ علاوہ ازیں ایک ہزار انبیاء ایسے گزرے ہیں جن میں ہر نبی کا ایک وصی تھا' لہٰذا حضرت علی (رضی اللہ عنہ) آنحضرت ﷺ کے وصی ہیں۔ جس طرح آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اسی طرح حضرت علیؓ خاتم الاوصیاء ہیں۔ ابن سباع (نقل کفر کفر نباشد) خلفائے ثلاثہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو (نعوذ باللہ) غاصب قرار دیتا تھا۔ اُس نے حضرت علیؓ کی حمایت میں سازشوں کا جال بچھادیا اور اسلامی سلطنت کے مختلف صوبوں میں جو لوگ حضرت عثمانؓ کے خلاف تھے' ان سے خفیہ مراسلت کا سلسلہ شروع کر دیا۔'' (دیکھو طبری: ۱'۲۹۴۲'۲)

(۵) ڈاکٹر جے این ہالسٹر اپنی تصنیف ''شیعانِ ہند'' میں صفحہ ۱۵ پر لکھتا ہے:

''حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے حق میں عبداللہ بن سباع نے سب سے پہلے پروپیگنڈا شروع کیا۔ وہ صنعاء کا یہودی تھا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں اسلام لایا اور مختلف شہروں میں جا کر ان عقائد کی تبلیغ کی کہ آنحضرت (ﷺ) دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور حضرت علیؓ آنحضرت (ﷺ) کے وصی ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ خلفائے ثلاثہؓ (نعوذ باللہ) غاصب ہیں' کیونکہ آنحضرت (ﷺ) کے اندر جو الوہیت تھی وہ ان کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کی ذات میں منتقل ہو گئی۔ جو لوگ حضرت عثمانؓ سے ناخوش تھے انہوں نے اس کی دعوت پر لبیک کہا۔''

(٦) پروفیسر پی کے ہٹی اپنی تصنیف ''عربوں کی تاریخ'' (مطبوعہ لندن' طبع چہارم ۱۹۴۹ئ) میں صفحہ ۲۴۸ پر لکھتا ہے:

''عبداللہ بن سبائ' جس کی شخصیت ایک معما ہے' حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں مسلمان ہوا۔ اس نے حضرت علیؓ کی تعظیم میں اس درجہ مبالغہ کیا کہ وہ پریشان ہو گئے۔ یہ شخص غالی شیعہ فرقے (غلاۃ) کا بانی تھا۔''

(۷) پروفیسر عباس اقبال (معلم دار المعلمین عالی' طہران) اپنی تالیف ''خاندانِ نوبختی'' کے صفحہ ۲۵۷ پر لکھتا

ہے:

"سبائیہ : اوّلین فرقہ غلاۃ ' طرف داران عبداللہ بن سباء کہ پیش از ہرکس باظہار طعن ابوبکر و عمر وعثمان رضی اللہ عنہم پر داختہ و معتقد بحیاتِ جاوید و رجعت حضرت علی رضی اللہ عنہ والوھیت اُو بودہ اند۔ امیر المؤمنین علی' عبداللہ بن سباء را بقتل رساند۔ فرقہ نصیریہ از باز ماندگان سبائیہ بودہ اند۔"

20

''سبائیہ غالی فرقوں میں سب سے پہلا فرقہ ہے۔ یہ لوگ عبداللہ بن سباء کے طرف دار تھے جنہوں نے سب سے پہلے (حضرات) ابوبکر وعمرو عثمان (رضوان اللہ علیہم اجمعین) پر طعن کا اظہار کیا۔ اور یہ لوگ حضرت علیؓ کی حیاتِ جاوید اور رجعت (دوبارہ دنیا میں واپسی) اور الوہیت کے معتقد تھے۔ امیر المؤمنین علیؓ نے عبداللہ بن سباء کو قتل کر دیا۔ فرقہ نصیریہ کے افراد اسی فرقہ سبائیہ کے باقی ماندہ افراد میں سے تھے۔''

(۸) امام محمد بن عبدالکریم شہرستانی اپنی مشہور تالیف "الملل والنحل" میں لکھتے ہیں:

"ومن ذلک سبائیہ' اصحاب عبداللّٰہ بن سباء کہ با امام المتقین حیدر گفت توئ کہ توئ بکنایۃً آں شقاوت پیشہ می گفت کہ تو خدائی اوّل کسے بود کہ بفرضیت امامت علیص قایل شد واصنافِ غلاۃ ازیں مخذول متشعب گشتند۔ ورائے خامد بداں ذاھب شد کہ امام المتقین علیص مقتول نگشتہ ودرآں حضرت جزوے از اجزائے الٰہی موجود است۔ تعالی اللہ عما یقولون ۔ رعد صوت اوست و برق تازیانہ اوست۔"(ترجمہ از افضل الدین صدر ترکہ اصفہانی' بخش اوّل 'صفحہ۱۸۸)

''اور ان فرقوں میں سے ایک فرقہ سبائیہ ہے۔ یہ عبداللہ بن سباء کے اصحاب ہیں جس نے حضرت علی سے کہا کہ تو تو ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو خدا ہے۔ عبداللہ بن سباء پہلا شخص ہے جو امامت ِعلی رضی اللہ عنہ کی فرضیت کا قائل ہوا اور غلاۃ کے مختلف فرقے اسی مخذول شخص کی تعلیمات سے پیدا ہوئے ۔ اس کی رائے میں:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ مقتول نہیں ہوئے۔

(۲) اور ان میں الوہیت کے اجزاء میں سے ایک جزء موجود تھا --- اللہ کی شان ان باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں' بہت بلند ہے --- رعد ان کی آواز ہے اور برق ان کا تازیانہ ہے۔''

مجھے یقین ہے کہ ان شواہد کا مطالعہ کرنے کے بعد کسی شخص کو اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی

تامل نہ ہو گا کہ عبداللہ بن سباء تاریخ اسلام میں پہلا شخص ہے جس نے مسلمانوں میں فتنہ و فساد کا بیج بویا۔
باز آمدم برسر مطلب:

عبداللہ بن سباء نے جن عقائد کی تلقین کی ان کا اجمالی تذکرہ سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے۔ ان کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے کہ اس نے ایک تیر سے دو شکار کیے:

---

(۱) اسلام کے بنیادی عقائد میں غیر اسلامی اور مشرکانہ عقائد داخل کر دیے۔
(۲) مسلمانوں کی وحدت ِملی اور یک جہتی و یک رنگی اور یک نگاہی کو پارہ پارہ کر دیا۔

بالفاظِ دیگر وہ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہو گیا' یعنی اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا بنا کر مسلمانوں میں انسان پرستی کا عقیدہ راسخ کر دیا اور تفرقہ پیدا کر کے مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف صف آرا کر دیا۔

اس شخص کی منافقانہ روش اور فتنہ انگیزی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کرایا' لیکن جو خفیہ جماعت اس نے پیدا کر دی تھی اور جس قسم کے غیر اسلامی عقائد اس جماعت میں راسخ کر دیے تھے' ان دونوں باتوں کا خاتمہ نہ ہو سکا۔ بلکہ اس کی وفات کے بعد اس کی جماعت کو ایران میں قبولِ عام کی سند حاصل ہو گئی' کیونکہ یہودیوں کی طرح ایرانی بھی عرب مسلمانوں سے شدید نفرت کا جذبہ دل میں پوشیدہ رکھتے تھے' اور جن عقائد کی ابن سباء نے تبلیغ کی تھی وہ ان کے لیے قابل قبول تھے' خصوصاً حلول کا عقیدہ جو اُن میں پہلے ہی سے موجود تھا۔

تیسری بحث

حضرت جعفر (شیعوں کے چھٹے امام) نے ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے متبعین میں دو گروہ پیدا ہو گئے۔

(۱) جس نے ان کے چھوٹے بیٹے حضرت موسیٰ کاظم کو ان کا جانشین تسلیم کیا وہ آگے چل کر امامیہ اثنا عشریہ کے نام سے مشہور ہوئے۔
(۲) جنہوں نے ان کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل کو ان کا جانشین تسلیم کیا وہ آگے چل کر اسماعیلیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ہمیں اس وقت اس دوسرے گروہ کی مختصر داستان لکھنی مقصود ہے۔

یہ فرقہ اگرچہ شیعیت ہی کی ایک شاخ ہے مگر جن لوگوں نے اس فرقے کی رہنمائی کی انہوں نے اسے ایک تخریبی تحریک بنا دیا اور آگے چل کر یہ تحریک اپنے معتقدات اور اعمال کے لحاظ سے شیعیت سے بھی کوسوں دور ہو گئی۔ تاریخ اسلام میں اس تحریک کو ملاحدہ' باطنیہ' تعلیمیہ اور قرامطہ کے رسوائے عالم اَلقاب سے بھی یاد کیا

جاتا ہے۔ ذیل میں ہم اس کی مختصر داستان قلم بند کرتے ہیں' کیونکہ یہی فرقہ دنیائے اسلام میں غیر اسلامی تصوف کا بانی ہے۔

اس فرقے نے شروع ہی سے عبداللہ بن سباء کے غالی عقائد (عقیدۂ الوہیت ِعلی ورجعت وتناسخ ِارواح و حلول) اختیار کر لیے تھے۔ پروفیسر برائون ''ایران کی ادبی تاریخ'' جلد اوّل' صفحہ ۳۱۱ پر لکھتا ہے:

''جو عقائد غلاۃ شیعہ میں مشترک ہیں وہ حسب ذیل چار عقائد ہیں:

(۱) تشبیہہ (خدا کا انسانی شکل میں ظہور)

(۲) مشیت ِایزدی میں تبدیلی (بدأ)

(۳) امام کی واپسی (رجعت)

(۴) تناسخ (ایک امام کی روح کا دوسرے یعنی جانشین کی شخصیت میں حلول کرنا)''

ظاہر ہے کہ یہ سب عقائد قرآن کے سراسر خلاف ہیں۔ اسی لیے مسٹر اسٹینلی لین پول اپنی تصنیف ''داستانِ قاہرہ'' (مطبوعہ لندن '۱۹۰۶ئ) میں صفحہ ۱۱۳ پر لکھتا ہے:

''اپنی باطنی روح کے اعتبار سے فاطمیین ِمصر کا مذہب محمڈنزم نہیں ہے۔''

ڈاکٹر اولیئری نے بھی اپنی تصنیف ''تاریخ خلفائے بنی فاطمہ مصر'' میں صفحہ ۱۲ پر لکھا ہے:

''اسماعیلیہ فرقے میں شروع ہی سے غلاۃ شیعہ کی خصوصیات پیدا ہو گئی تھیں' یعنی (۱)تاویل (۲) تجسیم (۳) حلول (۴)تناسخ روحِ امام بقالب دیگر۔''

اب ہم برائون کی تاریخ جلد اول سے اس تحریک کی داستان قلم بند کرتے ہیں:

(۱) مہدی کے عہد حکومت میں المقنع نے خروج کیا۔ ابن خلکان نے اپنی مشہور تالیف 'وفیات الاعیان' میں لکھا ہے کہ المقنع کا اصل نام عطاء تھا۔ اس نے جادو اور طلسمات میں مہارت حاصل کی اور خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ اس نے اپنے پیروئوں سے کہا کہ سب سے پہلے خدا نے آدم میں حلول کیا' یہی وجہ ہے کہ فرشتوں نے اسے سجدہ کیا۔ الغرض خدا اسی طرح تمام انبیاء میں حلول کرتا کرتا ابو مسلم خراسانی کے جسم میں داخل ہوا اور اس کی وفات کے بعد اب خدا نے میرے اندر حلول کیا ہے۔ (٦)

چونکہ یہ شخص نہایت کریہہ المنظر اور کانا تھا' قصیر القامت اور ہکلا تھا اور اپنے بدنما چہرے پر سنہرا نقاب ڈالے رہتا تھا اسی لیے اسے ''المقنع'' کہتے ہیں۔ یہ شخص ۱٦۹ھ میں قتل کیا گیا۔

(۲) مامون کے عہد میں بابک خرمی نے خروج کیا۔ یہ شخص بھی الوہیت کا مدعی تھا۔ بقول طبری اس شخص نے

بیس سال تک ایران میں شدید ہنگامہ برپا رکھا۔ انجام کار افشین نے_____
(٦) اس کے دعوے سے ایرانی ذہنیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۲۲۳ھ میں اسے قتل کیا۔ المقنع اور بابک نے خدائی کا دعویٰ کر کے ہزاروں نہیں لاکھوں مسلمانوں کو گمراہ کیا اور بقول مسعودی (کتاب التنبیہ) بابک نے پانچ لاکھ کے قریب مسلمانوں کو قتل کیا۔ ان دونوں کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن میمون القداح کی تخریبی سرگرمیوں کے لیے زمین ہموار کی۔

(۳) ہٹی اور برائون نے لکھا ہے کہ فرقہ اسماعیلیہ کی سیاسی تنظیم اور مذہبی عقائد کی تدوین کا سہرا عبداللہ بن میمون القداح کے سر ہے۔ الفہرست میں مرقوم ہے (۷) کہ یہ شخص اہواز کا باشندہ تھا۔ اس نے پہلے بصرہ میں قیام کیا' پھر سلامیہ (شام) کو اپنا مرکز بنایا اور یہاں سے تمام دنیائے اسلام میں اپنے دعاۃ کو اسماعیلی مذہب کی تبلیغ کے لیے روانہ کیا۔ اس نے ۲٦۱ھ / ۸۷۵ء میں وفات پائی۔

(۴) حمدان قرمط : یہ شخص القداح کا سب سے بڑا حامی تھا۔ اس کا نام حمدان بن اشعث تھا۔ یہ دراصل ایک عراقی کاشتکار تھا۔ چونکہ اس کی ٹانگیں بہت چھوٹی تھیں اس لیے اسے قرمط کہتے تھے۔ اس نے اسماعیلی مذہب کو باطنی تحریک میں تبدیل کردیا اور اسی لیے اسماعیلی باطنی فرقہ اس کے نام سے موسوم ہو گیا' یعنی قرامطہ۔ قرامطہ نے الجنابی کی سربراہی میں ایک آزاد ریاست قائم کر لی اور اس کے بیٹے ابوطاہر نے ۹۳۰ء (۳۱۷ھ) میں مکہ مکرمہ پر حملہ کر کے حجر اَسود اُکھیڑ لیا اور اپنے ساتھ لے گیا(۸) ۔ بقول برائون انہوں نے سو سال تک سلطنت عباسیہ کے باشندوں کو خوفزدہ رکھا(۹) ۔

القداح کے عقائد :اس نے اپنی تحریک کو اسماعیلی فرقے کے ساتویں امام اسماعیل سے منسوب کیا۔ اس لیے اس تحریک کا نام اسماعیلی تحریک ہوا۔ مگر اس تحریک کو مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے' مثلاً سبعی' باطنی' تعلیمی' فاطمی' قرمطی اور حشیشی' لیکن مؤرخوں نے اس تحریک کو ملاحدہ کے لقب سے یاد کیا ہے۔

القداح کے عقائد حسب ذیل ہیں:

(ا) اس مذہب میں سات کا عدد بہت مقدس ہے' اس کے بعد بارہ کا عدد۔ مثلاً سبعہ سیارہ

(۷)برائون، جلد اول، ص ۳۹۶ وہٹی، ص ۴۴۳۔

(۸)یہاں قرامطہ کے مظالم کی داستان بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ بطور نمونہ صرف ایک کارنامہ درج کر دیا ہے۔

(۹)برائون جلد اول، ص ۴۰۱۔

اور دوازدہ بروج، ہفتے کے سات دن اور سال کے بارہ مہینے۔

(ب) اصولِ ہفت گانہ: خدا، عقل کلی، نفس کلی، انسان، مادہ، زمان، مکان۔

(ج) سات صاحب شریعت نبی یا رسول: آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ (علیہم السلام)، آنحضرت ﷺ اور محمد التام (کامل) بن اسماعیل بن جعفر۔

(د) ہر رسول کے ساتھ جس کا لقب ناطق ہے، ایک معاون بھی ہے جس کا لقب صامت ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ آدم کے ساتھ شیث، نوح کے ساتھ سام، ابراہیم کے ساتھ اسماعیل، موسیٰ کے ساتھ ہارون، عیسیٰ (علیہم السلام) کے ساتھ پطرس، آنحضرت ﷺ کے ساتھ علیؓ اور محمد بن اسماعیل کے ساتھ القداح۔

(ھ) القداح نے اپنے عقائد کی تبلیغ کے لیے مبلغین تیار کیے اور ان کا لقب داعی تھا۔ دعاۃ کا طریق کار یہ تھا کہ وہ جس شہر میں جاتے وہاں کوئی پیشہ مثلاً تجارت یا طبابت اختیار کرلیتے۔ سب سے پہلے وہ لوگوں کے دلوں میں اپنے متقی، مقدس اور متورع ہونے کا نقش جماتے تھے۔ جب لوگ ان کی بزرگی کے قائل ہوجاتے تھے تو وہ ان کے قلوب میں فلسفیانہ سوالات کے ذریعے شکوک و وساوس اور اضطراب پیدا کرتے تھے۔ مثلاً:

(۱)خدا نے یہ دنیا چھ دن میں کیوں پیدا کی جبکہ وہ ایک ساعت میں پیدا کر سکتا تھا؟

(۲)صراطِ مستقیم کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟

(۳)عذابِ دوزخ کی حقیقت کیا ہے؟ دوزخیوں کی کھال کس طرح بدلی جائے گی؟

(۴)رمیٔ جمار کی حقیقت کیا ہے؟

(۵)دوزخ کے دروازے سات کیوں ہیں؟ جنت کے دروازے آٹھ کیوں ہیں؟

(٦)آسمان سات کیوں ہیں؟ سورۃ الفاتحہ کی آیات سات کیوں ہیں؟

(٧)کراماً کاتبین ہمیں نظر کیوں نہیں آتے؟

(٨)حاملین عرش آٹھ کیوں ہیں؟ (قرآن ٦٩:١٧)

(٩)ابلیس کی کیا حقیقت ہے؟

(١٠)یاجوج و ماجوج اور ہاروت و ماروت سے کیا مراد ہے؟

(١١)تمام حیوانات میں انسان ہی دو ٹانگوں پر کیو ںکھڑے ہو کر چلتا ہے؟

(١٢)ہاتھوں میں دس انگلیاں کیوں ہیں؟

(١٣) چار انگلیوں میں تین تین پورے کیوں ہیں؟ انگوٹھے میں صرف دو کیوں ہیں؟

(١٤) صرف چہرے میں سات مخارج کیوں ہیں؟ آٹھ یا نو کیوں نہیں' جبکہ بقیہ تمام جسم میں صرف دو ہیں؟

یہ سوالات تبلیغ کی ابتدا میں کیے جاتے تھے۔ جب سننے والا مضطرب ہوجاتا تھا تو اس کے دماغ میں فلسفیانہ قسم کے شکوک وشبہات پیدا کیے جاتے تھے۔ اور جب وہ مبہوت ہو جاتا تھا تو داعی اس سے کہتا تھا کہ تمہارے علماء کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب نہیں ہے' لیکن اگر تم میرا مذہب اختیار کر لو تو میں تمہیں اسلام کی حقیقت سے آگاہ کر دوں گا' اس کی شرط یہ ہے کہ تم اپنی دولت یا کمائی میں سے ہماری تحریک کی مالی امداد کے لیے ایک رقم معین کر دو اور وعدہ کرو کہ جو تعلیم ہم تمہیں دیں گے تم اسے مخفی رکھو گے۔

اگر سامع اس شرط پر راضی ہوگیا تو اسے خفیہ جماعت کے پہلے درجے میں داخل کر لیا جاتا تھا۔ القداح نے ۹ درجے مقرر کیے تھے۔ آخری درجے میں پہنچ کر طالب حق کو اسلام سے بیگانہ کر دیا جاتا تھا۔

مقریزی اور نویری لکھتے ہیں کہ آخری درجے تک پہنچنے کے بعد طالب کے لیے اباحت مطلقہ کا دروازہ کھل جاتا تھا اور عقائد کے لحاظ سے وہ شخص فلسفہ مشائین کا پیرو بن جاتا تھا۔ (۱۰)

برائون لکھتا ہے (۱۱) کہ آخری درجے تک پہنچ کر مرید مذہب اسلام سے بیگانہ ہوجاتا تھا اور فلسفی بن جاتا تھا۔ بقول نویری وہ مانوی یا مجوسی یا فلسفیانہ عقائد اختیار کر لیتا تھا' بلکہ اس کا مذہب مختلف عقائد و افکار کا مجموعہ بن جاتا تھا۔

القداح اور قرمط دونوں نے اپنے متبعین کو' جنہیں دعاۃ کا منصب دیا' یہ نصیحت کی تھی کہ جس شخص کو تبلیغ کرو پہلے اس کے عقائد سے واقفیت حاصل کرو' پھر اپنے آپ کو اس کا ہم خیال ظاہر کرو تاکہ وہ تم سے بدظن نہ ہوجائے۔ جب وہ تم پر اعتماد کرنے لگے تو اس کے عقائد کو آہستہ آہستہ متزلزل کرنا شروع کرو۔ اس لیے ان دعاۃ نے ہر جگہ اسی حربے کو استعمال کیا اور کامیابی حاصل کی۔ (۱۲)

---

(۱۰) دیکھو تاریخ خلافت بنی فاطمہ' مؤلفہ اولیئری' ص ۲۸' ۲۹۔ (۱۱) دیکھو برائون' جلد اول' ص ۴۱۵۔

(۱۲) دیکھو ڈاکٹر اولیئری کی تالیف تاریخ خلافت بنی فاطمہ' ص ۳۰' ۳۱۔

چوتھی بحث

جس زمانے میں قرامطہ نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں شروع کیں' مسلمانوں میں تصوف کا آغاز ہو چکا تھا اور مختلف سلسلے قائم ہو چکے تھے۔ قرامطہ نے صوفیوں کے حلقوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو صوفی ظاہر کیا۔ یعنی تصوف کے لباس میں صوفیوں کو گمراہ کرنا شروع کیا اور اسلامی تصوف میں غیر اسلامی عقائد کی آمیزش کر کے ایران میں اس غیر اسلامی تصوف کی بنیاد رکھ دی' جو رفتہ رفتہ تمام مسلمانوں میں شائع ہو گیا اور اسلامی تصوف کے ساتھ اس طرح مخلوط ہو گیا کہ اسلامی اور غیر اسلامی تصوف میں امتیاز کرنا عوام کے لیے ناممکن ہو گیا'

کیونکہ جاہل عوام ہر زمانے میں اور ہر ملک میں دین اسلام کی حقیقت سے بیگانہ رہے ہیں' یعنی غیر اللہ کو دست گیر' مشکل کشا اور حاجت روا مانتے رہے ہیں اور آج بھی مانتے ہیں۔

ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ ایران کے اکثر باشندوں نے اسلام کو صدقِ دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ قرامطہ نے جو غیر اسلامی عقائد' جن کی وضاحت قبل ازیں کی جا چکی ہے' تصوف کے لباس میں ایرانیوں کے سامنے پیش کیے' مثلاً حلول' اتحاد' تجسم' تناسخ وغیرہ وہ سب ایسے تھے جو قبل اسلام ایران کے مختلف طبقوں میں مروّج تھے' اس لیے ان لوگوں نے ان عقائد کو بخوشی قبول کر لیا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ اس مضمون سے چند اقتباسات ہدیہ قارئین کر دیے جائیں جو ایک غیر مسلم اے ای کرمسکی (Krymsky) نے تصوف کے ارتقاء پر لکھا تھا اور جسے حال ہی میں ''اسلامک کوارٹرلی'' کے مدیر نے مجلہ مذکور کی جلد ششم برائے سال ۱۹۶۱ء میں درج کیا ہے:

''صوفی جماعت کے افراد اپنے آپ کو سنت کا سچا محافظ کہتے تھے (۱۳)۔ لیکن ایران میں یہ لقب ان لوگوں نے بھی اختیار کر لیا تھا جن کے عقائد اسلام سے اس قدر بعید تھے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ ان کو جہنمی قرار دے دیتے۔''

''یہ بات قابل غور ہے کہ جب ۸۶۴ء میں عبداللہ بن میمون القداح نے اسماعیلی فرقے کی اصلاح کی اور ان کو منظم کیا تو اس جماعت کے پوشیدہ طریق پر تبلیغ کرنے والوں کو یہ نصیحت کی کہ جب وہ مسلمانوں سے ملیں تو اپنے آپ کو صوفی ظاہر کریں تاکہ کسی کو ان پر شبہ کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ان جدید اسماعیلیوں

---

(۱۳) دیکھو رسالہ قشیریہ

نے ایران اور دوسرے ممالک میں تصوف کو عوام میں بڑی حد تک مقبول بنا دیا لیکن اس خدمت کے معاوضے میں انہوں نے تصوف میں ایسے غیر اسلامی رجحانات اور عقائد داخل کر دیے جن کا اظہار چوتھی صدی ہجری سے شروع ہو گیا۔'' (مجلہ اسلامک کوارٹرلی' جلد۶' شمارہ۳' ۴ بابت جولائی و اکتوبر ۱۹۶۱ء' ص ۱۰۵)

یہی مصنف اسی رسالے کے ص ۸۷ کے حاشیے میں لکھتا ہے:

''اسماعیلی دعاۃ نے ' جو پندرھویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہندوستان آئے' صوفیوں کا طریقہ اختیار کیا اور ہندوئوں سے کہا کہ حضرت علیؓ وشنو کے دسویں اوتار تھے۔ چنانچہ پیر صدر الدین نے اسی حکمت عملی سے کام لے

کر بہت سے ہندوئوں کو اپنے مذہب کا پیرو بنایا۔''

بخوفِ طوالت نہ تو میں قرامطہ کی تاریخ اس کتاب میں درج کرسکتا ہوں اور نہ اس فتنہ و فساد کی تفصیل بیان کر سکتا ہوں جو اس فرقے کے مبلغین نے دنیائے اسلام میں پھیلایا۔ میرا مطلب اس داستان سے صرف اس قدر ہے کہ میں ناظرین کو یہ بتادوں کہ مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف' جسے اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے' کس طرح شائع ہوا اور میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ ایضاحِ مقصد کے لیے بالکل کافی ہے۔ اس فرقے کے افراد نے تصوف کے پردے میں اپنے عقائد کی جس طرح تبلیغ کی اور جس حکمت عملی سے کام لے کر تصوف کو سراسر غیر اسلامی بنادیا' اس کی مثالیں بیکتاشی سلسلے اور نور بخشی سلسلے کے صوفیوں کے عقائد سے بخوبی مل سکتی ہیں۔

یکتاشی فرقہ

صوفیوں کے اس فرقے کی تاریخ ڈاکٹر جے کے برج (Birge) نے اپنی کتاب ''درویشوں کا بیکتاشی سلسلہ'' میں مفصل طور پر لکھی ہے۔ بخوفِ طوالت صرف چند اقتباسات پر اکتفا کرتا ہوں:

''اس سلسلے کا بانی حاجی بیکتاش ولی تھا جو ۶۸۰ھ / ۱۲۸۱ء میں خراسان (اسماعیلی دعاۃ کے مرکز) سے اناطولیا میں آیا تھا۔ اس نے ۷۳۸ھ / ۱۳۳۷ء میں وفات پائی (ص۳۵)۔ ترکوں میں اس کے سلسلے کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ اس سلسلے کے عقائد حسب ذیل ہیں:

(۱) اللہ حقیقت واحدہ ہے۔

(۲) محمد ﷺ اور علیؓ دونوں اللہ کے مظاہر خاص ہیں۔

(۳) اللہ' محمد ﷺ اور علیؓ تینوں میں عینیت کا علاقہ ہے۔

(۴) محمد ﷺ اور علیؓ درحقیقت ایک ہیں یا ایک شخص کے دو نام ہیں۔'' (ص۱۳۲و۱۳۳)

ان چار عقیدوں سے اس بات کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے کے صوفیوں کو اسلام سے کتنا تعلق تھا!

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس سلسلے کے صوفیوں کے جو عقائد ہیں اس کا اندازہ ''خطبۃ البیان'' سے ہو سکتا ہے جو اس سلسلے میں بہت معتبر کتاب ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

''(۱) میرے پاس مفاتیح الغیب ہیں جن کو محمد ﷺ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا' نیز عزرائیل (ملک الموت) میرا تابع فرمان ہے۔

(۲) میں لوحِ محفوظ ہوں' میں حجۃ اللہ ہوں' میں حجۃ الانبیاء ہوں۔

(۳) میں قسیم النار والجنۃ ہوں' میں اللہ کا دل ہوں' میں نوحِ اوّل ہوں۔

(۴) میں ذُوالقرنین ہوں' میں عالمِ ماکان ومایکون ہوں' میں منشیٔ السحاب ہوں' میں مطر الانہار ہوں' میں قیوم السماء

ہوں۔ ‘‘ (ص ۱۴۲، ۱۴۳)

یہ کتاب ۱۹۳۷ء میں لندن سے شائع ہوئی ہے۔ مزید معلومات کے لیے ناظرین بطور خود اس کتاب کا مطالعہ کرلیں۔

نور بخشی سلسلہ

اس سلسلے کا تذکرہ پروفیسر محب الحسن نے اپنی تالیف ’’کشمیر زیر نگین سلاطین‘‘ (صفحات ۲۸۳ تا ۲۸۷) میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

’’نور بخشیہ فرقے کا بانی سید محمد عبداللہ تھا جو ۷۹۵ھ/۱۳۹۳ء میں قائین (کوہستان) میں پیدا ہوا تھا۔ جوانی میں خواجہ اسحاق خطلانی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ خواجہ صاحب امیر کبیر سید علی ہمدانی کے خلیفہ تھے۔ خواجہ اسحاق نے سید محمد کو نور بخش کا لقب عطا کیا۔ نور بخش نے دعویٰ کیا کہ مجھے امام جعفر صادقؒ سے روحانی فیض حاصل ہوا ہے۔ اس کی تعلیمات میں شیعہ عقائد کا رنگ نمایاں ہے۔ اس سلسلے کے افراد خلفائے ثلاثہؓ کی شان میں گستاخی کرتے تھے۔ لیکن نور بخش نے امام مہدی المنتظر ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا‘ اس لیے شیعہ بھی اسے ناپسند کرتے تھے۔ کشمیر میں اس سلسلے کو شمس الدین نے شائع

کیا۔ یہ شخص اپنے وطن شولفان (ایران) سے چل کر پہلے ملتان آیا‘ پھر ۱۵۰۲ء میں کشمیر پہنچا۔ کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد بلتستان میں نور بخشی عقائد کی تبلیغ کی‘ پھر کشمیر واپس آیا اور کشمیر کے چک حکمران خاندان کو شیعہ مسلک کا پیرو بنایا۔‘‘

ان تصریحات سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ قرامطہ نے تصوف کے لباس میں اپنے مسلک کی تبلیغ کی اور تصوف میں ایسے عقائد داخل کر دیے جو قرآنی تعلیمات کے خلاف ہیں۔

جیسا کہ ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں‘ قرامطہ نے ہمیشہ اس اصول پر عمل کیا کہ ’’جیسا دیس ویسا بھیس‘‘۔ چنانچہ جب ان کے دعاۃ ہندوستان میں آئے تو انہوں نے ہندو صوفیوں اور جوگیوں او رپیروں کے طور طریقے اختیار کیے اور ہندوئوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وشنو کے دسویں اوتار کے روپ میں پیش کیا۔ عوام میں ہردلعزیزی حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اپنے ناموں سے پہلے ’’پیر‘‘ کے لقب کا اضافہ کیا۔

پیر صدر الدین نے گجرات میں اورپیر شمس الدین نے ملتان میں تصوف کے پردے میں اپنے عقائد کی تبلیغ کی۔ اس بات کی تصدیق ڈاکٹر جے این ہالسٹر کی تالیف ’’شیعانِ ہند‘‘ سے بھی بخوبی ہو سکتی ہے۔ مصنف مذکور لکھتا ہے:

’’اگرچہ صوفیوں اور شیعوں میں بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے مگر اسماعیلیہ فرقے نے اس اختلاف کو بہت کم کر دیا۔ چنانچہ اسماعیلی پیروں نے صوفیہ کے طریقے اختیار کرلیے۔‘‘ (ص ۲۸)

''فتح شاہ کے عہد حکومت میں ۱۴۹۶ء میں شمس الدین اسماعیلی داعی کشمیر میں آیا اور اس کے ساتھ چک قبیلے کے افراد بھی واپس آ گئے جن کو فتنہ انگیزی کی پاداش میں ملک بدر کردیا گیا تھا۔ یہ لوگ ابتدا میں آفتاب پرست تھے اور روشنائیہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ بادشاہ نے شمس الدین کو تبلیغ کی اجازت دی اور اس نے چک قبیلے کے افراد کو نوربخشی سلسلے میں داخل کر لیا۔'' (ص ۱۴۶)

''نوربخشی سلسلے کے عقائد احوطہ نامی کتاب میں مندرج ہیں جو کفر اور الحاد کا مرکب ہیں۔ نہ وہ عقائد شیعوں کے ہیں نہ سنیوں کے۔ یہ لوگ خلفائے ثلاثہ پر طعن کرتے ہیں' اس لیے سنی نہیں ہو سکتے اور نوربخش کو مہدی موعود یقین کرتے ہیں' اس لیے شیعہ نہیں ہوسکتے۔'' (ص ۱۴۷)

قرامطہ کا یہی طریق کار تھا کہ جس طرح ہو سکے خصوصاً تصوف کے پردے میں

مسلمانوں کے اندر الحاد اور بے دینی کی اشاعت کی جائے' اور اس مقصد میں وہ کامیاب ہو گئے' یعنی انہوں نے تصوف کے پردے میں مسلمانوں کے دلوں میں غیر اسلامی عقائد جاگزیں کردیے۔ مؤلف مذکور اسی کتاب کے صفحہ ۳۳۳ پر لکھتا ہے:

''اسماعیلی سیدوں کا ایک قافلہ قاہرہ سے چل کر سبزوار آیا۔ پیر شمس الدین(۱۴) سبزواری یہیں سے ملتان آیا تھا اور اس نے صوفیوں کے لباس میں اسماعیلیت کی تبلیغ کی۔ بعض لوگوں نے شمس الدین سبزواری کو غلطی سے شمس تبریز سمجھ لیا ہے جو جلال الدین رومی کا مرشد تھا۔ پیر شمس الدین(۱۵) جو اسماعیلیہ نزاریہ فرقے کا داعی تھا' ۱۲۹۶ء میں کشمیر آیا اور تقیہ کر کے اپنے آپ کو یہاں کے باشندوں کے رنگ میں رنگین کر لیا۔ چنانچہ ایک دن جبکہ ہندو دسہرے کی خوشی میں گربا رقص کر رہے تھے' پیر صاحب بھی اس رقص میں شریک ہو گئے اور ۲۸ ''گربا'' گیت تصنیف فرمائے۔ رفتہ رفتہ ہندو اُن سے مانوس ہو گئے اور انہوں نے بہت سے ہندوئوں کو امام الزمان حضرت قاسم شاہ نزاری کا پیرو بنا دیا۔'' (ص ۳۵۳)

''کشمیر سے پیر شمس الدین اُچ میں آیا جو ملتان سے اَسّی میل دُور ہے۔ روایت ہے کہ یہاں اُس نے ایک امیر آدمی کے مردہ بیٹے کو زندہ کر دیا جس کی وجہ سے عوام میں اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوگئی۔ چنانچہ اس نے پیری مریدی کا سلسلہ شروع کر دیا' اور اس کے مرید شمسی کہلاتے ہیں۔ اُس نے ۷۵۷ھ/۱۳۵۷ء میں وفات پائی۔'' (ص ۳۵۵)

''پیر صدر الدین اسماعیلی نزاری فرقے کا داعی بھی پیروں کے لباس میں ہندوستان آیا تھا۔ اس نے ۱۴۳۰ء میں تبلیغ کا آغاز کیا اور قرامطہ کے اصول تبلیغ کے مطابق اس نے اپنا ہندوانی نام سہدیو رکھا اور پنجاب کے لوہانہ راجپوتوں کو اپنے مذہب میں داخل کیا۔ اس نے کہا کہ وشنو کا دسواں اوتار حضرت علیؓ کی صورت میں ظاہر ہو چکا ہے' اس کے پیرو

صوفیوں کی زبان میں محمد ﷺ اور علیؓ کی تعریف میں بھجن گایا کرتے تھے۔ اس نے اپنے مریدوں کے لیے دشم اوتار نامی کتاب لکھی، جو آج بھی اسماعیلی نزاری خوجوں کی نہایت مقدس مذہبی کتاب ہے(۱۶)۔پیر صدر الدین نے اُچ میں وفات پائی۔ اس

(۱۴) یہ دوسرا پیر شمس الدین ہے۔ پہلا پیر شمس الدین نور بخشی سلسلے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا مزار ملتان میں ہے۔

(۱۵) یہ تیسرا پیر شمس الدین ہے، جس کا مزار اُچ میں ہے۔

(۱۶) جیسے مسلمانوں کی نگاہ میں قرآن مجید!

اس کے مزار پر ہر سال عرس منعقد ہوتا ہے جو ترنداگوریج میں واقع ہے۔ یہ قصبہ اُچ سے ۱۵ میل کے فاصلے پر ریاست بہاولپور میں واقع ہے۔'' (ص ۳۵۶، ۳۵۷)

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قرامطہ نے صوفیوں اور پیروں کے لباس میں غیر اسلامی عقائد کی تبلیغ کی اور اس طرح غیر اسلامی تصوف عالم وجود میں آگیا، جس میں تمام غیر اسلامی عقائد مثلاً تثلیث، تجسّم، کفارہ، حلول، الوہیت ِ علیؓ، رجعت، بدأ، اتحاد، تناسخ ِ ارواح اور قدامت ِ مادّہ وغیرہ داخل ہیں۔ عوام بے چارے یہ سمجھے کہ یہی اصلی تصوف ہے جو قرامطہ صوفیوں کے لباس میں پیش کر رہے ہیں۔ انا للہ...!

اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ایک طرف قرامطہ نے صوفیوں کے لباس میں مسلمانوں کو غیر اسلامی تصوف سے مانوس کر دیا، دوسری طرف مسلمان صوفیوں کی تصانیف میں نہایت چابک دستی کے ساتھ اپنے عقائد داخل کر دیے۔ عربی میں اس کو تدسیس کہتے ہیں۔ چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواہر (صفحہ ۷) میں لکھا ہے کہ:

''باطنیہ، ملاحدہ اور زنادقہ نے سب سے پہلے امام احمد بن حنبلؒ، پھر امام غزالیؒ کی تصانیف میں اپنی طرف سے تدسیس کی۔ نیز اس فرقۂ باطنیہ نے ایک کتاب جس میں اپنے عقائد کی تبلیغ کی تھی، میری زندگی میں میری طرف منسوب کر دی اور میری انتہائی کوشش کے باوجود یہ کتاب تین سال تک متداول رہی۔''

اس اقتباس سے ناظرین اس فرقہ کی دلیری، عیاری اور معاندانہ سرگرمیوں کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ اگر استقصاء کیا جائے تو اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے، مگر میں چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

اس فرقے نے بہت سی روایات وضع کر کے مسلمانوں میں شائع کر دیں۔ اس فرقے کے صوفیوں نے اپنی مجلسوں میں ان وضعی روایات کو مسلسل بیان کیا اور سامعین نے ان مقدس حضرات پر اعتماد کر کے انہیں قبول کر لیا۔ مثلاً: بیکتاشی سلسلے میں یہ روایت بہت مقبول ہے کہ ''جب جنگ ِ اُحد میں آنحضرت ﷺ زخمی ہو گئے اور

جسم سے خون بہنے لگا تو جبریل ؑ نے آکر آپؐ سے کہا کہ ''نَادِ عَلِیًّا'' والی دعا پڑھو' یعنی علیؓ کو پکارو۔ جب آپؐ نے یہ دعا پڑھی تو علیؓ فوراً آپؐ کی مدد کے لیے آئے اور کفار کو قتل کر کے آپؐ کو اور تمام مسلمانوں کو قتل ہونے سے بچا لیا۔'' (درویشوں کا بیکتاشی سلسلہ' مصنفہ ڈاکٹر برج' ص ۱۳۸' مطبوعہ ہارٹ فرڈ' یو ایس اے' ۱۹۳۷ئ)

ارباب علم جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ اُحد میں اس قسم کی کوئی دعا نہیں

پڑھی۔ یہ دُعا تاریخ یا سیرت یا مغازی کی کسی مستند کتاب میں مرقوم نہیں ہے۔ علاوہ ازیں جب جنگ اُحد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ از اوّل تا آخر حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے تو انہیں پکارنے کی ضرورت کیسے پیش آسکتی تھی؟

یہی روایت اہل سنت کی کتابوں میں راہ پا گئی' کیونکہ عقیدت میں غلو انسان کو تحقیق اور درایت دونوں سے بیگانہ کر دیتا ہے۔ چنانچہ سید مظفر علی شاہ صاحب چشتی اپنی تالیف موسومہ جواہر غیبی (مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ' ۱۸۸۷ء) میں صفحہ ۶۴۱ پر لکھتے ہیں:

''در غزوۂ تبوک چوں لشکر اسلام شکستہ شد حضرت سید عالم صلعم درمیان کشتگان پنہاں شدند جبریل ای کلمات آوردند:

نادعلیا مظھر العجائب ، تجدہ عونا لک فی النوائب ، کل ھم و غم سینجلی بنبوّتک یا محمد وبولایتک یا علی یا علی یا علی'' (۱۷)

اللہ تعالیٰ مصنف مرحوم کی علمی اور تاریخی لغزشوں کو معاف فرمائے! انہوں نے اس روایت کو زیبِ کتاب بناتے وقت یہ بھی نہ سوچا کہ غزوۂ تبوک میں تو سرے سے قتال ہی نہیں ہوا' اور اسی لیے مؤرخین اسے غزوہ نہیں کہتے۔ دراصل یہ وہی روایت ہے جو بیکتاشی سلسلے کے صوفیوں میں متداول ہے اور انہی کی کتابوں سے سید صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کر لی ہے۔ خدا معلوم جنگ اُحد کے بجائے انہوں نے ''غزوۂ تبوک'' کہاں سے نقل کر لیا اور کیسے لکھ دیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا تاریخ اسلام کا قطعاً مطالعہ نہیں کیا تھا۔

مجھے اس روایت کو نقل کر کے یہ دکھانا مقصود ہے کہ قرامطہ نے جو نظامِ عقائد مدوّن کیا تھا وہ قرآن کی ضد ہے۔ چنانچہ اس روایت سے ان کا مقصد قرآن کی اس آیت کی تردید تھا:

{وَ اِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ہُوَ} (یونس:۱۰۷)

''اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اُس کے سوا کوئی اس مصیبت کو دور کرنے والا

(۱۷) ترجمہ: غزوۂ تبوک میں جب لشکر اسلام شکست سے نڈھال ہو گیا تھا اور حضرت سید عالم ﷺ مقتولوں کے درمیان چھپ چکے تھے تو حضرت جبریل یہ کلمات لے کر نازل ہوئے: ''(اے محمد ﷺ) علی کو پکار جو عجائبات کا ظاہر کرنے والا ہے' تو اسے مصیبتوں میں اپنا مددگار پائے گا۔ تمام پریشانیاں اور غم اے محمدؐ تیری نبوت اور اے علیؑ تیری ولایت کے وسیلے سے عنقریب دور ہو جائیں گے۔ یا علی' یا علی' یا علی!'' (اس دعا کا پڑھنے والا اگر علی رضی اللہ عنہ کو محمد ﷺ سے افضل سمجھ لے تو اس کا کیا قصور ہے؟)

نہیں ہے۔''

قرآن کی رُو سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی شخص دست گیر یا مشکل کشا یا حاجت روا یا کارساز نہیں ہے۔ چونکہ قرامطہ براہِ راست مسلمانوں کو شرک کی تعلیم نہیں دے سکتے تھے اس لیے انہوں نے صوفیوں کا روپ دھارا اور اپنے ظاہری تقدس' وضع قطع' لباس' گفتگو اور طرزِ عمل سے مسلمانوں کو دھوکا دیا اور یہ مشرکانہ تعلیم بآسانی ان کی محبوب شخصیت کے نام کے پردے میں' ان کے دماغوں میں جاگزیں کر دی۔ اور داد طلب امر یہ ہے کہ یہ کام ایسی عمدگی سے انجام دیا کہ عوام دھوکہ کھا گئے اور مرورِ ایام سے یہ روایات مسلمان صوفیوں کے صوفیانہ لٹریچر کا جزوِلاینفک بن گئیں اور اب ان روایات کو صوفیانہ لٹریچر سے خارج کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا گوشت کو ناخن سے جدا کرنا۔

اسلامی تصوف کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صوفی کو سب سے پہلے یہ تلقین کی جاتی ہے کہ:

(ا) اللہ کے سوا کسی شخص میں خواہ وہ نبی ہو یا رسول' غوث ہو یا قطب' کوئی قدرت نہیں ہے۔

(ب) غیر اللہ سے استمداد درکنار' اس کی طرف متوجہ ہونا بھی سالک کے لیے مضر ہے۔ ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔ اسی کو تبتل کہتے ہیں۔

(ج) ماشاء اللہ لا قُوّۃ الا بِاللہ جب تک اللہ قوت عطا نہ کرے کسی شخص میں فعل کی کوئی قوت پیدا نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ سرآمد موحدین رئیس المتقین حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ اپنی تصنیف ''فتوح الغیب'' میں مقالہ سوم میں فرماتے ہیں: لَا فَاعِلَ فِی الْحَقِیْقَۃِ اِلاَّ اللہُ یعنی ''درحقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا اس کائنات میں کوئی فاعل نہیں

ہے''۔
سارا قرآن از اوّل تا آخر اس حکم سے معمور ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پکارو۔ صرف دو تین آیتیں درج کرتا ہوں:
{وَ لَا تَدۡعُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنۡفَعُکَ وَ لَا یَضُرُّکَ ۚ} (یونس:۱۰۶)
''اور اللہ کو چھوڑ کر کسی کو مت پکار' کیونکہ من دون اللہ جو بھی ہے (خواہ رسول ہو یا ولی) وہ نہ تجھے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔''
{وَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ کُلُّ شَیۡءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجۡھَہٗ} (القصص:۸۸)
''اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ کو مت پکارو (کیونکہ) اللہ کے سوا (اس کائنات میں) دوسرا الٰہ (نافع یا ضار) موجود ہی نہیں ہے۔''

{فَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ فَتَکُوۡنَ مِنَ الۡمُعَذَّبِیۡنَ ﴿۲۱۳﴾} (الشعرائ)
''پس اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ کو مت پکار۔ اگر ایسا کرے گا تو بلاشبہ تو عذاب پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔''
قرامطہ کا مقصد مسلمانوں کو توحید سے منحرف کر کے مشرکین کی صف میں داخل کرنا تھا۔ اسی لیے ان کے روحانی اور دینی پیشوا عبداللہ بن سباء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا بنایا' اور اگرچہ حضرت علیؓ نے اسے قتل کرا دیا مگر وہ مرتے مرتے شرک کا بیج اسلام کی زمین میں بو گیا۔ قرامطہ اسی بیج کا درخت تھے جس کے اثمارِ تلخ سے ہم چودھویں صدی میں ''مستفید'' ہو رہے ہیں۔
اسلام کی امتیازی صفت یہ تھی کہ یہ دین انسان پرستی کی لعنت سے پاک تھا۔ عبداللہ بن سباء اور اس کے جانشینوں القداح اور حمدون قرمط نے انتہائی چابک دستی کے ساتھ اسلام کو اسی امتیازی صفت سے محروم کر دیا۔ ہندوئوں کے یہاں رام اور کرشن خدا کے اوتار ہیں' قرامطہ کے یہاں اسماعیل اور علیؓ خدا کے اوتار ہیں۔ وہ بوقت مصیبت رام کو پکارتے ہیں اور یہ بوقت مصیبت علیؓ کو پکارتے ہیں۔ خدا وہاں بھی معطل ہے' یہاں بھی۔ انہی قرامطہ کی تقلید میں اکثر مسلمان حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا سمجھتے ہیں اور ہر مشکل کے وقت خدا کے بجائے انہیں پکارتے ہیں' اور جو مسلمان انہیں اس فعل سے منع کرتا ہے اسے ''وہابی'' کہتے ہیں۔
قرامطہ نے صوفی بن کر مسلمانوں کو جس حد تک گمراہ کیا' عمل صالح اور جدوجہد سے بیگانہ بنایا' اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ''نَادِ عَلِیًّا'' سے دنیا جہان کی تاثیر منسوب کر دی۔ میں اپنے دل پر جبر کر کے' بلکہ پتھر کی سل رکھ کر ''جواہر غیبی'' سے ان کلمات کے خواص نقل کرتا ہوں:

”خواص ایں کلمات بسیار است

(۱) اگر مسحور ھفت بار بر آبِ چاہ بخواند وازاں غسل کند، سحر باطل شود۔

(۲) اگر اوّل ساعتِ جمعہ چہل وھشت باربخواند با ھر کہ سخن راند، محبِّ او شود۔

(۳) اگر از دشمن خوف باشد ھرروز ھفتاد بار بخواند دشمن مقھور شود۔

(۴) برائے اخلاصِ محبوس ھر روز شصت باربخواند۔

(۵) برائے حصولِ دولت ھر بامداد صد بار بخواند۔

---

(۶) برائے رویت آنحضرت صلعم ھر شب سہ ھزار بار بخواند۔

(۷) برائے کشفِ کنوز و اسرارِ غیب چہل روز، ھر روز شصت و ھفت بار خواند۔

(۸) برائے تحصیل علوم ھر روز ھفتاد بار خواند۔

(۹) برائے بغض و عداوت میانِ دو شخص بست بار بخواند۔

(۱۰) برائے تحصیل مرادات ھر روز بست و چہار بار بخواند“ (ص ۶۴۱،۶۴۲) (۱۸)

بخوفِ طوالت صرف انہی خواص پر اکتفا کرتا ہوں ۔ کتاب میں اسی قدر خواص اور بھی مرقوم ہیں۔ ان خواص پر تنقید کی بجائے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اسی قسم کے تصوف نے مسلمانوں کو قوتِ عمل سے محروم کر دیا۔ یہ سوال خارج از بحث ہے کہ ان کلمات میں یہ تاثیر کہاں سے ثابت ہے، کیونکہ اس قسم کے اسرار و رموز فہم انسانی سے بالاتر ہیں۔

ایک بات اور عرض کروں کہ اس روایت کے واضع نے کمال دانائی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ سرکارِ دو عالم ﷺ سے بڑھا دیا اور واضع کا اصلی مقصد یہی تھا کہ مرکز توجہ حضور انور ﷺ کی جانب سے ہٹ کر حضرت علیؓ کی طرف منتقل ہو جائے، نہ اللہ سے تعلق باقی رہے نہ رسول اللہ ﷺ سے۔

یہ ایک روایت ہے ان صدہا روایاتِ لایعنی میں سے جنہوں نے مسلمانوں کے عقائد

---

(۱۸) ترجمہ: ان کلمات (نادِ علی) کے خواص بہت ہیں:

(۱) اگر سحر زدہ سات مرتبہ کنویں کے پانی پر دم کرے اور اس سے غسل کرے تو سحر جاتا رہے گا۔

(۲) اگر جمعہ کی پہلی گھڑی اڑتالیس بار پڑھے تو جس کسی سے بھی بات کرے وہ اس کا محبوب بن جائے گا۔
(۳) اگر کسی دشمن کا خوف ہو تو روزانہ ۷۰ مرتبہ پڑھیں دشمن فنا ہو جائے گا۔
(۴) قید سے رہائی کے لیے روزانہ ۶۰ مرتبہ پڑھیں۔
(۵) دولت کے حصول کے لیے چاہیے کہ اسے ۱۰۰ مرتبہ پڑھیں۔
(۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے ہر رات ۳۰۰۰ بار پڑھیں۔
(۷) خزانوں کا پتا کرنے اور غیب کے بھید جاننے کے لیے چالیس روز ۶۷ مرتبہ پڑھیں۔
(۸) علم حاصل کرنے کے لیے ہر روز ۷۰ مرتبہ پڑھیں۔
(۹) دو آدمیوں کے درمیان دشمنی کے لیے ۲۰ مرتبہ پڑھیں۔
(۱۰) خصوصی مرادیں یا مقاصد کے حصول کے لیے ہر روز ۲۴ مرتبہ پڑھیں۔

میں شرک کی آمیزش کر دی' اور قرامطہ نے یہ کارنامہ تصوف کا لبادہ اوڑھ کر انجام دیا۔ عوام جب ان کی مجلسوں میں جاتے تھے تو یہ لوگ پہلے ان کو اپنے ظاہری تقدس سے مسحور کرتے تھے' پھر ان کے عقائد کو غیر اسلامی تصوف کے سانچے میں ڈھال دیتے تھے۔

نظر اُن کی رہی مجلس میں بس حشو و زوائد پر
کُراکیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر(۱۹)

اگر تصوف اسی بات کا نام ہے کہ مسلمان خدا پرستی کے بجائے شخصیت پرستی میں مبتلا ہو جائے تو ایسے تصوف سے ہر سچا مسلمان ہزار بار اللہ کی پناہ طلب کرے گا۔

قرامطہ نے فصوص الحکم' فتوحاتِ مکیہ' مثنوی مولانا روم' احیاء العلوم اور دوسری مشہور کتابوں میں اپنی طرف سے عبارتیں اور اشعار داخل کر دیے' بلکہ بہت سی کتابیں خود لکھ کر بعض بزرگوں کے نام سے منسوب کر دیں۔ مثلاً ایک دیوان حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب کر دیا۔ بہت سی رباعیات مختلف صوفیوں سے منسوب کر دیں' مثلاً یہ مشہور رباعی حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ سے منسوب کر دی ؎

شاہ است حسینؓ بادشاہ ہست حسینؓ
دین است حسینؓ دین پناہ ہست حسینؓ

سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسینؓ (۲۰)

قرامطہ نے بہت سی غزلیں مولانا روم کے دیوان میں شامل کر دیں جس کا نام ''دیوان شمس تبریز'' ہے۔ ایک غزل کے چند اشعار ذیل میں درج کرتا ہوں:

شاہے کہ ولی بود و وصی بود علی بود سلطانِ سخا و کرم و جود علی بود

ہم اوّل و ہم آخر و ہم ظاہر و باطن ہم موعد و ہم وعدہ و موعود علی بود

---

(۱۹) اکبر الٰہ آبادی کا شعر ہے:
نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر
میں نے اپنے مطلب کو واضح کرنے کے لیے اس میں تصرف کر دیا ہے۔
(۲۰) ترجمہ: ''حسینؓ سید زادہ ہے 'بادشاہ بھی حسینؓ ہے۔ دین بھی دراصل حسینؓ ہے اور دین کو بچانے والا بھی حسینؓ ہے۔ گردن کٹوا دی مگر یزید کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیا (یعنی یزید کی بیعت نہ کی)۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کی بنیاد ہی حسینؓ ہے۔''

گویند ملک ساجد و مسجود بُد آدم
از من بشنو ساجد و مسجود علی بود
ہم آدم و ہم شیث و ہم ایوب و ہم ادریس
ہم یوسف و ہم یونس و ہم ھود علی بود
جبریل کہ آمد ز بر خالق بیچوں
در پیش محمدؐ شد و مقصود علی بود

ایں کفر نباشد سخن کفر نہ این است
تا ہست علی باشد و تا بود علی بود(۲۱)

مرشد رومیؒ ہرگز یہ غزل نہیں لکھ سکتے تھے ‘کیونکہ دوسرے شعر کا پہلا مصرع بفحوائے نص قرآنی :

مرشد رومیؒ ہرگز یہ غزل نہیں لکھ سکتے تھے ‘کیونکہ دوسرے شعر کا پہلا مصرع بفحوائے نص قرآنی :{ھُوَ الاَوَّلُ وَالاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالبَاطِنُ} اللہ تعالیٰ کی صفات پر شاہد ہے اور کوئی مسلمان اس نص کو غیر اللہ کی ذات پر منطبق کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا یا خدا کا اوتار سمجھتا ہے۔ اور عبداللہ بن سباء کی اور اس کے متبعین القداح اور قرمط کی تعلیم کا سنگ بنیاد ہی الوہیت علیؓ کا عقیدہ ہے‘ لہٰذا یہ غزل انہی کے پیرو لکھ سکتے ہیں۔
چند اشعار اور بھی درج کرتا ہوں ؎

اوّل و آخر توئی ظاہر و باطن توئی
مُفخرِ عالم توئی شاہ سلام علیک
با حیدر خود حیدرم بیروں ز حیدر کافرم
حق را بحقِ من عرف از شاہ مرداں یافتم
اے رہنمائے مؤمناں‘ اللہ مولانا علیؓ
اے عیب پوش و غیب داں ‘ اللہ مولانا علیؓ
قاضی و شیخ و محتسب دارد بدل بغضِ علیؓ
ہر سہ شدند از دیں بری اللہ مولانا علیؓ(۲۲
)

مرشد رومیؒ یہ اشعار ہرگز نہیں لکھ سکتے تھے‘ کیونکہ عیب پوش اور غیب داں‘ یہ اللہ تعالیٰ کی

(۲۱) ''وہ بادشاہ (سید زادہ) جو ولی اور جانشین تھا' وہ علیؓ تھا۔ سخاوت مہربانی اور فیاضی کا سلطان علیؓ تھا۔ اوّل بھی وہی' آخر بھی وہی' ظاہر و باطن بھی وہی' وعدہ کرنے والا بھی' وعدہ بھی اور موعود بھی علیؓ ہی تھا۔ فرشتے تو کہتے ہیں کہ ساجد و مسجود آدمؑ تھا' لیکن مجھ سے سن کہ ساجد و مسجود علیؓ تھا۔ آدمؑ بھی' شیثؑ بھی' ایوبؑ بھی' ادریسؑ بھی' یوسفؑ بھی' یونسؑ بھی' اور ہودؑ سب ہی علیؓ تھا۔ جبریلؑ جو خالق لاثانی کی طرف سے ظاہراً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا تھا در حقیقت اس کا مقصود علیؓ تھا۔ یہ کفر نہ ہو گا' نہ یہ کفر کا کلمہ ہے کہ جب تک (یہ جہان) رہے گا علیؓ ہو گا اور جب سے تھا علیؓ تھا۔''

(۲۲) ''تو ہی اوّل و آخر ہے' تو ہی ظاہر و باطن ہے۔ دنیا کا فخر تو ہی ہے' اے شاہ تجھ پر سلام! میں حیدر کے ساتھ حیدر ہوں' حیدر سے باہر میں کافر ہوں۔ حق کو میرے حق میں جان کہ میں نے یہ پہچان شاہِ مرداں سے حاصل کی ہے۔ اے مؤمنوں کی رہنمائی کرنے والے علیؓ ہمارے اللہ ہمارے مالک! اے ہمارے عیب چھپانے والے' غیب کے جاننے والے علیؓ ہمارے اللہ ہمارے مالک! قاضی' شیخ اور محتسب دل میں علیؓ سے بغض رکھتے ہیں۔ تینوں دین سے خارج ہو گئے اے علیؓ ہمارے اللہ ہمارے مالک!''

صفات ہیں نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی۔

دیوان شمس تبریز پر جلال ہمائی نے جو مقدمہ لکھا ہے اس میں ان اشعار کو الحاقی قرار دیا ہے (دیکھو :مقدمہ صفحہ ٦٧' دیوان شمس تبریز' مطبوعہ طہران ۱۳۳۵ شمسی)

خواجہ اجمیریؒ یا مرشد رومیؒ کی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا حقیقت ہے! قرامطہ اور ان کے ہم خیالوں نے تو اس قدر جسارت کی کہ اپنے مزعوماتِ باطلہ احادیثِ نبویؐ کے لباس میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دیے۔ منجملہ ان کے یہ حدیث ہے جو ترمذی میں بھی موجود ہے:

((اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ -- یا -- اَنَا دَارُ الْحِکْمَۃِ -- وَعَلِیٌ بَابُھَا))

شیخ الاسلام آیۃٌ من آیات اللہ مجاہد اعظم حضرت سیدی و شیخی مولوی سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ العزیز مکتوب ۷۵ میں صفحہ ۱۷۹ اور ۱۸۰ پر تحریر فرماتے ہیں:

''یہ روایت نہ تو صحیحین میں ہے اور نہ روایت کا ذکر کرنے والے اس کی تصحیح فرماتے ہیں۔''

''ترمذی نے بھی روایت کرنے کے بعد کلام کیا ہے کہ بعض علماء نے یہ حدیث شریک تابعی سے روایت کی ہے' مگر علمائے حدیث اس کو ثقات میں سے نہیں پہچانتے' سوائے شریک کے۔ علامہ ابن جوزی نے 'موضوعات' میں اس کے جملہ طرق پر یقین کے ساتھ باطل ہونے کا حکم دیا ہے۔ ایک جماعت محدثین کی اس کے موضوع ہونے کی قائل

ہے۔ امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین صاف فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سرے سے کوئی اصل ہی نہیں ہے۔ طاہر پٹنی نے بھی اس کی صحت کا انکار کیا ہے ... امام العصر (مولانا انور شاہ صاحب) بھی روایت کی صحت کو تسلیم نہیں فرماتے۔'' (حاشیہ از مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی' مرتب مکتوبات شیخ الاسلام۔ ماخوذ از مکتوبات شیخ الاسلام' حصہ اول' اردو بک سٹال لاہور)

صوفیہ کے اشعار میں تدسیس اور الحاق کی وبا اس قدر عام ہو چکی تھی کہ جب مولانا جامیؒ بغداد آئے تو ان دنوں وہاں روافض کا ہجوم تھا۔ انہوں نے مولانا کی کتاب ''سلسلۃ الذھب'' پر چند اعتراضات کیے تھے۔ ایک رافضی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں چند مبالغہ آمیز اشعار لکھ کر مولانا سے منسوب کر دیے۔ ایک دن جامع مسجد بغداد میں مجلس مناظرہ قائم ہوئی جس کا مقصد یہ تھا کہ روافض اپنے اعتراضات پیش کریں گے' مگر پہلے ان اشعار پر اعتراض ہوا جو ایک رافضی نے مولانا سے منسوب کر دیے تھے۔ سُنّی علماء نے ان اشعار پر اعتراض کیا۔
اس داستان کی تفصیل کے لیے دیکھو حیاتِ جامیؒ مؤلفہ ڈاکٹر علی اصغر حکمت' مطبوعہ

طہران' ص۸۳۔ مجھے اس واقعہ سے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ اسماعیلیہ' قرامطہ اور روافض کا یہ محبوب مشغلہ تھا کہ وہ صوفی شعراء کے کلام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں ایسے مبالغہ آمیز اشعار جن سے الوہیت ِعلی پر استدلال ہو سکے' اپنی طرف سے شامل کر دیا کرتے تھے۔

اگر یہ سوال ہو کہ انہیں اس کی جرأت کیسے ہوتی تھی' تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمام صوفی سلسلے اور تمام صوفی افراد بلا استثناء ِواحد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہایت مکرم' محترم اور لائق توقیر سمجھتے ہیں۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ سلاسل اربعہ میں سے تین سلسلے حضرت علیؓ پر منتہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا صوفی شعراء نے جہاں خلفائے ثلاثہ کی منقبت میں زورِ قلم صرف کیا ہے وہاں حضرت علیؓ کی منقبت میں بھی اپنی عقیدت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس لیے روافض اور قرامطہ کو مبالغہ آمیز اشعار شامل کلام کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آ سکتی تھی۔ فرض کیجیے کہ مولانا جامی نے اکیس اشعار کی ایک نظم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں لکھی تو اگر کوئی شخص دو یا تین ایسے شعر جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا بنا دیا گیا ہو' اس نظم میں چپکے سے شامل کر دے (اور اسی کو تدسیس کہتے ہیں) تو کیا دشواری لاحق ہو سکتی ہے؟

قرامطہ نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے جہاں اور ہتھکنڈے استعمال کیے وہاں یہ حربہ بھی استعمال کیا کہ اپنی مجلسوں میں مسلسل اس گمراہ کن عقیدے کی تبلیغ کی کہ ''شریعت اور طریقت دو جداگانہ چیزیں ہیں' اور جب ایک شخص طریقت کے دائرے میں قدم رکھتا ہے تو اس کے لیے شریعت کی پابندی لازمی نہیں

رہتی۔ جی چاہے پابندی کرے ' جی چاہے نہ کرے۔''

ملوکیت نے دین اور دنیا میں تفریق تو پہلے ہی سے قائم کر دی تھی اور اس غیر اسلامی تعلیم نے مسلمانوں کی اجتماعی' اخلاقی اور دینی زندگی کو تباہ کر دیا تھا' رہی سہی کسر اس غیر اسلامی تصوف نے پوری کر دی' کیونکہ شریعت اورطریقت کی تفریق سے اباحت ِ مطلقہ کا دروازہ کھل گیا اور مسلمانوں کی روحانی زندگی ختم ہو کر رہ گئی۔

قرامطہ کو اس تفریق کی ضرورت اس لیے بھی پیش آئی کہ اگرچہ انہوں نے مصلحتاً تصوف کا لبادہ اوڑھ لیا تھا مگر دل تو بدستور غیر اسلامی تھا ۔اس لیے انہوں نے اس ''نکتہ معرفت'' کو شدومد کے ساتھ پیش کیا تاکہ کوئی شخص ان پر عدم پابندیٔ شرع کا الزام عائد نہ کر سکے۔ علاوہ بریں ان جعلی صوفیوں کے حاشیہ نشینوں نے عوام کو یہ کہہ کر گمراہ کیا کہ نمازِ پنج گانہ تو عوام کے لیے ہے' یہ حضرات تو ہر وقت نماز میں مشغول رہتے ہیں۔

اس تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ مسلمانوں میں قلندری اور ملامتی درویشوں کی جماعتیں پیدا ہو گئیں۔ ان دونوں جماعتوں کے افراد پابندیٔ شریعت سے آزاد رہتے تھے بلکہ اس آزادی میں فخر محسوس کرتے تھے اور تحقیر شریعت کو اپنے لیے طغرائے امتیاز بناتے تھے۔

قلندروں کی جماعت نے سیاحت اور صحرانوردی کو اپنا شعار بنا لیا' کیونکہ اس طرح سیر و تفریح کے مواقع بھی بآسانی میسر آسکتے تھے اور جدوجہد کے بغیر زندگی بسر ہو سکتی تھی' یعنی جس شہر میں پہنچے وہاں کے مسلمانوں پر اپنے تقدس (ترکِ دنیا) کا سکہ جما کر اعلیٰ درجہ کی ضیافت کا انتظام کر لیا۔ رفتہ رفتہ ان کے اخلاق بالکل تباہ ہو کر رہ گئے۔ بخوفِ طوالت' تفصیل سے اجتناب کرتا ہوں۔

رہے ملامتی فرقے کے لوگ تو انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ ضعف پہنچایا 'کیونکہ دین کی بنیاد ہی منہدم کر دی۔ انہوںنے ہر اس فعل کا ارتکاب کیا جس کی شریعت نے ممانعت فرمائی ہے۔ قرامطہ نے ان کو یہ نکتہ عجیبہ' جسے ابلیسی ذہانت کا شاہکار کہنا زیادہ مناسب ہوگا' سمجھایا کہ:

(۱) تصوف کا مقصود ہے نفس امارہ کو مغلوب کرنا۔

(۲) اس کو مغلوب کرنے کا ایک طریقہ اس کی تذلیل بھی ہے۔

(۳) اس لیے ایسے کام کرو جن کی وجہ سے لوگ تمہیں برا کہیں۔

(۴) جب لوگ تمہیں برا سمجھیں گے' گالیاں دیں گے' دین اسلام سے خارج کر دیں گے' تمہارا سوشل بائیکاٹ کریں گے تو یقینا نفس امارہ' نفس مطمئنہ میں تبدیل ہو جائے گا۔

چونکہ اتباع شریعت نفس پر گراں ہے اس لیے یہ ''ملامتی طریقہ'' بہت جلد مقبول ہو گیا اور آج بھی پاک و ہند کے

مختلف شہروں میں آپ کو ایسے لوگ مل سکتے ہیں جو:

(۱) علانیہ شریعت اور طریقت میں تفریق کرتے ہیں اور پیر ہونے کے باوجود نہ نماز پڑھتے ہیں' نہ روزہ رکھتے ہیں' نہ اتباع شریعت کرتے ہیں۔ وجہ کیا ہے؟ صرف یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ اب ہم روحانیت کے اس مقام پر فائز ہیں جہاں یہ رسوم ظاہری بے کار ہو جاتی ہیں اور اپنے زعم باطل کی تائید میں یہ آیت پیش کر دیتے ہیں: {وَ اعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ ﴿ ۹۹ ﴾} (الحجر) یعنی ''اپنے رب کی اُس وقت تک عبادت کر جب تک تجھ میں یقین کی کیفیت پیدا نہ ہو''۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیںکہ چونکہ ہمارے اندر یقین پیدا ہو چکا ہے اس لیے اب ہمیں

عبادت کی ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ افضل الرسل' خیر البشر' سرکار دو عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ آخر وقت تک نماز پڑھتے رہے!

(۲) درویشی کے پردے میں منہیات کا ارتکاب کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم اسی لیے تو شراب پیتے ہیں کہ لوگ ہمیں برا سمجھیں اور اس طرح ہمارا نفس مردہ ہو جائے جو مقصودِ اسلام ہے۔

یہ ''بے شرع'' اور ''خلافِ شرع'' صوفی جو دراصل ملاحدہ اور زنادقہ کی جماعت کے دو اَفراد ہیں' پانچویں صدی سے دنیائے اسلام میں اپنی فتنہ پردازی اور شرارت انگیزی میں مصروف ہیں۔ میں صرف ایک شخص کا ذکر کروں گا جس کا نام مادھو لال حسین ہے۔ یہ شخص اکبر کے عہد میں لاہور میں رہتا تھا۔ ایک طرف اپنے اشعار میں خالص توحید اور عشق الٰہی کا درس دیتا تھا' دوسری طرف ایک کھتری بچہ مادھو کے عشق میں گرفتار تھا اور بلاتامل خلافِ شرع امور کا ارتکاب کرتا تھا۔

ملامتی فرقے کے درویش لاہور کے علاوہ دلی میں بھی تھے۔ اسی لیے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

''جو صوفی شریعت اور طریقت میں فرق کرتا ہے' وہ صوفی نہیں ہے بلکہ فرقۂ باطنیہ سے تعلق رکھتا ہے۔''

میرا خیال ہے کہ میں نے اپنے دعوے کے ثبوت میں کافی سے زیادہ شواہد پیش کر دیے ہیں کہ بلاشبہ:

(۱) مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف بھی پیدا ہوا جسے ہم ایرانی یا عجمی تصوف بھی کہہ سکتے ہیں اور اس تصوف کو اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے' کیونکہ اس کی بنیادی تعلیمات اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہیں' جیسا کہ مہدی توحیدی پور نے ''نفحات الانفس'' کے عنوان میں لکھا ہے:

''زیر اصولِ طریقت تصوف در بسیارے موارد با قوانینِ دینِ مبینِ اسلام معارض است''

اور اس میں کیا شک ہے کہ ایرانی تصوف' اکثر موارد میں دین مبین اسلام کے قوانین کی ضد ہے۔ اسلام خدا پرستی سکھاتا ہے اور یہ غیر اسلامی یا ایرانی تصوف انسان پرستی کا سب سے بڑا علم بردار ہے۔

(۲) اس غیر اسلامی تصوف کا بیج قرامطہ نے بویا۔ انہوں نے اپنے مقاصد مشئومہ اور عقائد مذمومہ

لی تبلیغ کے لیے تصوف کو آلہ کار بنایا اور صوفیوں کے لباس میں بے شمار مسلمانوں کو گمراہ کر دیا۔
بطور تائید مزید مقدمہ شرح گلشن راز نوشتہ آقائے کیوان سمیعی (شیعہ اثنا عشری) سے چند اقتباسات کا اردو ترجمہ ذیل میں درج کرتا ہوں:

''صوفیوں میں حلول و اتحاد کے غیر اسلامی عقائد کی اشاعت کا ظاہری سبب یہ ہے کہ مسلمانوں میں فرقِ ضالہ کے پیروؤں نے اپنے مقاصد پلید کی اشاعت کے لیے اپنے آپ کو صوفیوں کے لباس میں ظاہر کیا۔ ان لوگوں کی صورت تو صوفیانہ تھی مگر سیرت صوفیانہ نہیں تھی۔ ان لوگوں نے اپنے غلط عقائد صوفیوں میں شائع کر دیے تھے۔ اور چونکہ عامۃ الناس ان میں اور سچے صوفیوں میں فرق نہ کر سکے (اور کر بھی کیسے سکتے تھے؟) اس لیے فرقِ مذکورہ کے معتقدات کو صوفیوں کے معتقدات سے مخلوط اور منسوب کر دیا۔ چنانچہ شمس الدین محمد سخاوی اپنی تصنیف ''الضوء اللامع'' میں دربارۂ فضل اللہ استر آبادی (جو باطنی بھی تھا اور مذہب اتحاد کا بھی معتقد تھا اور فرقۂ حروفیہ کا بانی بھی تھا) لکھتا ہے: ''وے بہ لباس درویشاں درآمد خود را ازاں طائفہ معرفی کرد''۔ وہ درویشوں کے لباس میں ظاہر ہوا اور اپنے آپ کو اسی گروہ سے وابستہ کر کے ایک صوفی کی حیثیت سے پیش کیا۔ اس کے باوجود تعطیل احکام شرعیہ و اباحت محرمات و ترکِ مفترضات کا حکم دیا۔'' (الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع، ج٦، ص ١٧٦)

پروفیسر ای جے ڈبلیو گب اپنی تاریخ شعر ترکانی عثمانی کے صفحہ ٣٣٨ پر لکھتا ہے:

''تاریخ اسلام میں بارہا ایسا اتفاق ہوا ہے کہ دعاۃِ مذہب بدع و ضلال نے اشتباہ کاری اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے عوام کے حسن ظن کو مدنظر رکھ کر باطل عقائد رکھنے والے صوفیہ سے استفادہ کیا ہے اور اپنے آپ کو انہی سے وابستہ ظاہر کیا ہے۔

چنانچہ نظام الملک طوسی کا قاتل جو دراصل فرقہ اسماعیلیہ سے تعلق رکھتا تھا، صوفیہ کے لباس میں ظاہر ہوا تھا (اس نے صوفی بن کر طوسی کا قرب حاصل کیا اور موقع پا کر اسے قتل کر دیا)۔ اسی طرح باطنیہ فرقے کے دو آدمی صوفی بن کر شاہ عباس صفوی کے پاس آئے اور اسے مذہب امامیہ سے منحرف کرنے کی کوشش کی تھی۔

فرقہ اسماعیلیہ میں وہ طائفہ جو حشاشین کے نام سے بدنام ہے، اس کے افراد بھی ہمیشہ صوفیوں ہی کے لباس میں ظاہر ہوتے تھے۔ اور جب وہ صوفیہ کے عقائد بیان کرتے تھے تو اپنے عقائد بھی شامل کر دیتے تھے اور اسی طرح عقیدۂ شخصی عقیدۂ صوفیہ بن جاتا تھا۔ چنانچہ متأخرین ان کے ایسے اقوال کی تاویل کرتے تھے۔ مثلاً شیخ عزیز نسفی اس

بات کا قائل ہے کہ مرد عارف کی روح اس کی وفات کے بعد کاملین کے بدن میں داخل ہو جاتی ہے۔ اگرچہ یہ عقیدہ بالکل عقیدۂ تناسخ کا ہم معنی ہے مگر ایک صوفی سے منسوب ہے' اس لیے ملاہادی سبزواری نے اپنی تصنیف اسرار الحکم' جلد اول' صفحہ ۲۴۸ میں شیخ مذکور کے اس قول کی تاویل کی ہے اور اس کے غیر اسلامی عقیدے کا نام ''تناسخ مجازی'' رکھ کر شیخ مذکور کی براء ت کی کوشش کی ہے' حالانکہ یہ عقیدہ صریحاً ''تناسخ ارواح'' کا عقیدہ ہے 'جو کفر ہے۔''

(ماخوذو مقتبس از مقدمہ گلشن راز نوشتہ کیوان سمیعی شیعی' مطبوعہ چاپ خانہ حیدری ازانتشارات کتاب خانہ محمودی' طہران ۱۳۳۷ شمسی' صفحہ ۳۸و۳۹)

یہ ایک شیعہ عالم کی عبارت ہے جس پر کسی تبصرے یا حاشیے کی ضرورت نہیں ہے اور میرے مدعا کو بخوبی ثابت کرتی ہے۔اس کے بعد میں علامہ ابن خلدون کی شہادت پیش کرتا ہوں۔ وہ اپنی تاریخ کے شہرۂ آفاق مقدمے میں یوں رقم طراز ہیں:

''صوفیائے متقدمین کے روابط ان غلاۃ اسماعیلی شیعوں سے استوار ہو گئے جو حلول اور الوہیت ِ ائمہ کے قائل تھے۔ ابتدائی دور کے اسماعیلیہ ان عقائد سے آگاہ نہ تھے۔ بہرحال اسماعیلیہ اور صوفیہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے عقائد سے متاثر ہوئے اور ان کے نظریات و عقائد آپس میں مدغم ہو گئے۔ چنانچہ صوفیہ کے یہاں بھی ''قطب'' کا نظریہ پیدا ہو گیا جس کا مطلب ہے سیدالعارفین یا تمام عرفاء کا سرتاج۔ صوفیہ نے یہ فرض کر لیا (بلادلیل) کہ کوئی صوفی معرفت کے لحاظ سے قطب کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا جب تک خدا اس قطب کو وفات نہ دے۔ ہاں اس کی وفات کے بعد خدا اس کا مقام اس کے جانشین کو عطا کر دیتا ہے (یہ عقیدہ اسماعیلیہ کے عقیدۂ امامت سے مشابہ ہے کہ جب ایک امام مرتا ہے تو اس کی روح اس کے جانشین میں منتقل ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اسے الوہیت اور معصومیت کا مقام حاصل ہو جاتا ہے ۔ اسی لیے امام کی زندگی میں دوسرا شخص امامت کے مرتبے پر فائز نہیں ہوسکتا)۔''

چنانچہ مشہور فلسفی ابن سینا نے (جو باطنی تھا) اپنی تصنیف ''کتاب الاشارات'' میں اس نظریے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''یہ صداقت ِ عظمیٰ (حقانیت ِ کبریٰ) اس قدر رفیع الشان ہے کہ ہر طالب کو حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ شخص اس مرتبے پر فائز ہو سکتا ہے۔'' (تفصیل کے لیے دیکھو ''کتاب الاشارات والتنبیہات'' الخط التاسع)

واضح ہو کہ اقطاب کے تسلسل کا نظریہ نہ شریعت سے ثابت ہو سکتا ہے نہ دلائل عقلیہ سے۔ یہ محض ایک استعارہ ہے اور غلاۃ شیعہ کے نظریہ 'امامت سے مطابقت رکھتا ہے جس کی رو سے ایک امام کی وفات کے بعد اس کا فرزند امامت کو بھی ترکے یا ورثے میں حاصل کر لیتا ہے (جس طرح جائیداد منتقل ہوتی ہے 'امامت بھی منتقل ہو جاتی ہے)۔ بلاشبہ صوفیوں نے یہ تصور غلاۃ شیعہ سے حاصل کیا ہے۔

علاوہ ازیں جس طرح باطنیہ امام کے بعد نقباء کا وجود تسلیم کرتے ہیں اسی طرح صوفیہ قطب کے بعد اولیاء کا وجود تسلیم کرتے ہیں جن کا مرتبہ قطب کے بعد ہے۔ چنانچہ شیعہ کے ساتھ ان کے عقائد کی مماثلت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جب انہوں نے خرقہ پوشی کے لیے مشائخ کا سلسلہ مرتب کیا تو اسے حضرت علیؓ تک پہنچا دیا۔یقیناً یہ بات انہوں نے شیعوں کے زیر اثر آ کر کی' کیونکہ جو صحابہؓ آنحضرت ﷺ سے بہت زیادہ قرب رکھتے تھے' ان میں حضرت علیؓ کو کسی مخصوص عمل کی بناء پر یا لباس کی بناء پر کوئی درجہ 'اختصاص حاصل نہیں تھا۔

بلاشبہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہما) تمام صحابہؓ میں سب سے زیادہ متقی اور زاہد تھے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی کسی خاص مذہبی عمل کی وجہ سے دوسروں سے متمیز نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس قدر صحابہؓ کو حضور اکرم ﷺ کی معیت کا شرف حاصل تھا وہ سب کے سب مذہب' پرہیزگاری' زہد و ورع اور مجاہدانہ زندگی کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ اس بات کا ثبوت ان کی زندگی اور تاریخ دونوں سے مل سکتا ہے۔ بلاشبہ اس قسم کے قصوں سے شیعہ مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بعض مخصوص صفات کی وجہ سے دیگر صحابہؓ کے مقابلے میں امتیازی شان حاصل ہے۔'' (مقتبس از مقدمہ 'ابن خلدون' باب ششم' فصل شانزدہم' انگریزی ترجمہ جلد سوم' صفحہ ۹۲ تا ۹۳' مطبوعہ نیویارک ۱۹۵۸ئ)

اپنے دعوے کی مزید تائید کے لیے میں تصوف کی کتابوں سے وہ غیر مستند اور غیر معتبر اور باطل روایات ذیل میں درج کرتا ہوں جو دشمنانِ اسلام نے ان کتابوں میں اپنی طرف سے وضع کر کے داخل کر دی ہیں۔ اور ان تحریفات کی مثالیں بھی درج کروں گا جو انہوں نے کتب تصوف میں کی ہیں۔ اس کے بعد ان غیر اسلامی عقائد کی نشان دہی کروں گا جو دین سے ناواقف مسلمان صوفیوں میں مقبول ہو گئے ہیں۔

اکابر اہلِ سنت کی تصانیف میں تدلیس و تدسیس

پروفیسر سعید نفیسی کی رائے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے دعوے کو ثابت کرنے سے پہلے مشہور ایرانی محقق اور فاضل پروفیسر سعید نفیسی کی تصنیف ''جستجو در احوال و آثار فرید الدین عطار نیشاپوری'' سے چند اقتباسات ہدیۂ ناظرین کروں۔ موصوف لکھتے ہیں:

''جب اسلام میں مختلف فرقے پیدا ہوئے تو آغاز ہی سے انہیں ایران میں اپنے پیرو کثیر تعداد میں مل گئے۔ دراصل اسلامی فرقوں کی تاسیس کا سہرا ایرانیوں کے سر ہے۔ اس کی دلیل بالکل واضح اور روشن ہے۔ ایرانی باشندے عربوں کے تسلط سے پہلے بارہ سو سال تک دنیا میں بڑے جاہ وجلال کے ساتھ زندگی بسر کرتے چلے آرہے تھے' اس لیے انہیں اپنے اوپر خلفائے دمشق یا خلفائے بغداد کی حکمرانی کسی طرح پسند یا گوارا نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ہر ایرانی ایک اصول اپنی طرف سے وضع کرتا تھا اور ایک گروہ اس کا ہم نوا بن جاتا تھا اور یہ سلسلہ نویں صدی تک جاری رہا۔

پانچویں صدی تک بیشتر اہل ایران حنفی تھے یا شافعی تھے۔ طبرستان میں زیدیہ فرقہ اکثریت میں تھا۔ سبزوار کے علاقے میں شیعہ جعفریہ کا غلبہ تھا۔ قزوین میں اسماعیلیہ کا زور تھا۔ کرامیہ فرقہ جنوبی خراسان میں معروف تھا۔ صوفیہ اپنے آپ کو ان فرقوں سے مافوق سمجھتے تھے اور کسی کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔ مشہور صوفی عبداللہ انصاری حنبلی تھے۔ ان کے علاوہ چھٹی صدی تک تمام صوفیہ حنفی تھے۔''

مؤلف ''مجالس المؤمنین'' نے جو شیعہ تراشی میمشہور ہے' عطارؒ کو شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور دلیل میوہ اشعار پیش کیے ہیں جو انہوں نے علی بن ابی طالب کی منقبت میں لکھے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے ''ہر چہاریار'' کی مدح کی ہے اور دونوں گروہوں کے تعصب کا ردّ کیا ہے۔ طہران میں عطار کی بعض مثنویوں میں سے پہلے تین خلفائؓ کے مناقب کو اسی لیے حذف کر دیا گیا ہے۔ ایرانی شیعہ دورۂ صفویہ سے پہلے

تینوں خلفاء کی شان میں بدزبانی نہیں کرتے تھے۔ عطار نے ہر مثنوی میں چار یار کی مدح کی ہے۔ اگرچہ موجودہ نسخوں میں مدح خلفاء کو حذف کر دیا گیا ہے' مگر قلمی نسخوں میں مدح موجود ہے۔ مثلاً ''اسرارِ زمانہ'' میں مرقوم ہے:

سپہرِ صدق را خورشیدِ انور
امیر المؤمنین صدیق اکبرؓ
شریعت را نخستین قرۃ العین
رفیق مصطفیٰ و ثانی اثنین(۲۳)

قلمی نسخے میں ایک شعر یوں ہے:

سوارِ دیں پسرِ عمِّ پیمبرؐ
شجاع شرع و صاحبِ حوضِ کوثر(۲۴)

لیکن طہران کے مطبوعہ نسخے میں اسے اس طرح تبدیل کیا گیا ہے:

خصوص آں وارثِ دین پیمبر
چراغِ شرع و صاحب حوض کوثر(۲۵)

مصیبت نامہ عطار کے قلمی نسخے میں یہ اشعار موجود ہیں:

تا نبی صدیقؓ را محرم گرفت
صبح صادق جملۂ عالم گرفت
مردہ ای کہ می رود بر روئے خاک
ہست از قولِ نبی صدیق پاک(۲۶)

مدح صدیقی میں ۲۷ اشعار ہیں' مدح فاروقی میں ۱۲ اشعار ہیں' مدحِ عثمانی میں ۲۷ اشعار ہیں۔ لیکن اسی مصیبت نامہ کا جو ایڈیشن ۱۳۵۴ھ میں طہران سے شائع ہوا ہے اس میں ان کو حذف کر دیا گیا ہے۔

حالانکہ اس میں شک نہیں ہے کہ عطارؒ سلسلہ کبیرویہ سے متعلق تھے اور شیخ نجم الدین کبریٰ کے معتقد تھے۔ (اہل سنت میں سے تھے نہ کہ شیعہ۔)

عطار سے ٦٦ کتابیں منسوب ہیں' لیکن ان میں سے صرف دس کتابیں ان کی مصنفہ ہیں:

خسرونامہ' مختار نامہ' اسرار نامہ' مصیبت نامہ' دیوان' جواہر نامہ' شرح القلب' الٰہی نامہ' پند نامہ اور منطق الطیر۔

---

۲۳)ترجمہ: ''امیر المؤمنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سچائی کے آسمان پر چمکتا ہوا سورج ہیں۔ شریعت کے لیے اوّلیں آنکھوں کی ٹھنڈک' نبی کریم ﷺ کے ساتھی' اور ثانی اثنین یعنی غار میں دو میں سے ایک ہیں۔''

(۲۴)ترجمہ: ''دین کا کنگن' پیغمبر ﷺ کے چچا کا بیٹا' شریعت اور حوضِ کوثر کے مالک کا بہادر۔''

(۲۵)ترجمہ: ''دین پیغمبر ﷺ کا وہ خصوصی وارث' شریعت اور حوضِ کوثر کے مالک کا چراغ (نور) ''۔

(۲٦)ترجمہ: ''یہاں تک کہ نبی ﷺ نے صدیق رضی اللہ عنہ کو محرم راز بنا لیا' جس طرح صبح صادق پوری دنیا کو اپنے قبضہ میں لے لیتی ہے۔ وہ ایک مردہ کہ روئے زمین پر چلا جا رہا ہے' نبی ﷺ کے کہنے سے صدیق پاک ہو جاتا ہے۔''

جو کتابیں ان سے منسوب ہیں ان میں سے ایک کتاب کا نام جواہر الذات ہے۔ یہ کتاب ۱۳۵۵ھ میں طہران سے شائع ہوئی تھی' لیکن اس کتاب کے مصنف نے اکثر مقامات پر ''اظہار تشیع'' کیا ہے' اس لیے کسی طرح ممکن نہیں ہے

کہ یہ کتاب عطار کی تصنیف ہو۔ اسی طرح حلاج نامہ بھی عطار کی تصنیف نہیں ہے۔ تیسری کتاب جو عطار سے منسوب ہے' اس کا نام سی فصل ہے۔ ''گویندۂ ایں کتاب ہم شیعہ بودہ'' (۲۷)اس کتاب کے ایک شعر سے ثابت ہے کہ اس کا مصنف وہی ہے جس نے جواہر الذات لکھی ہے۔ وہ شعر یہ ہے :

بجوہر ذات گفتم ایں معانی
تو می باید کہ ایں معنی بدانی(۲۸)

''لسان الغیب'' بھی ان کی تصنیف نہیں ہے' کیونکہ اس میں یہ اشعار مندرج ہیں:

شیعہ پاک است عطار اے پسر
جنس ایں شیعہ بجانِ خود بخر
ما ز فاروق التجا بر کندہ ایم
پے ز نُورَین شما ببریدہ ایم(۲۹)

پروفیسر نفیسی نے آخر میں یہ فیصلہ صادر کیا ہے :

''در ہر صورت ہیچ تردیدے نیست کہ مردے بودہ است جعال' در قرن نہم' کہ خود را فرید الدین عطار می خواند و در مشہد می زیست و چندیں کتب سست و بے مغز مانند اشترنامہ' بلبل نامہ' جواہر الذات' حلاج نامہ' خیاط نامہ' کنز الاسرار' لسان الغیب' مظہر العجائب ساختہ کہ بہیچ وجہ از فرید الدین عطار نیشاپوری' نیست'' (ص ۱٦٦)(۳۰)

جو نسخہ ''جواہر الذات'' کا میری نظر سے گزرا ہے اس میں سے صرف دو شعر ذیل میں

---

(۲۷) ''اس کتاب کا لکھنے والا بھی شیعہ تھا۔''

(۲۸) ترجمہ: ''جواہر الذات کے حوالے سے میں یہ مطلب بتا رہا ہوں تاکہ تو اس معنی سے واقف ہوجائے۔''

(۲۹) ترجمہ: ''اے بیٹے ! عطار شیعہ پاک ہے 'اس جنس شیعہ کو اپنی جان دے کر خرید لے (حاصل کرلے) ۔ ہم عمر فاروق کو یہ تنبیہہ کرتے ہیں کہ ہم تمہارے ذوالنورین (عثمانؓ) کو بھی کاٹ ڈالیں گے۔''

(۳۰) ترجمہ: ''بہرصورت اس بات کی کوئی تردید نہیں کی جا سکتی وہ شخص نویں صدی کا سب سے بڑا جعل ساز تھا' جو اپنے آپ کو فرید الدین عطار کہتا تھا ۔ وہ مشہد (ایران) میں رہتا تھا اور اس نے کئی فضول اور بے معنی کتابیں لکھیں' جیسے اشترنامہ' بلبل نامہ' جواہر الذات' حلاج نامہ' خیاط نامہ' کنز الاسرار' لسان الغیب' مظہر العجائب وغیرہ۔ یہ کتابیں کسی طور بھی فرید الدین عطار نیشاپوری کی نہیں ہیں۔''

درج کرتا ہوں جن سے پوری کتاب کا اندازہ ہو جائے گا۔ اور یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ یہ شعر حضرت شیخ فریدالدین عطار نیشاپوریؒ اپنے قلم سے ہرگز نہیں لکھ سکتے تھے:

محمد را شناس ایں جا خدا تو
وگرنہ اوفتی اندر بلا تو
علی با مصطفٰی ہر دو خدایند
کہ دم دم راز بر ما می کشایند (۳۱)

ان شعروں کے مضمون سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا کہنے والا عبداللہ بن سباء کا مخلص پیرو تھا اور طائفہ ضالہ یا قرامطہ سے تعلق رکھتا تھا۔

میں نے پروفیسر سعید نفیسی کی محققانہ تصنیف سے یہ اقتباسات اس لیے درج کیے ہیں کہ ناظرین پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ:

(۱) قرامطہ نے صوفی بن کر اپنے عقائد باطلہ کو اسلامی تصوف کے ساتھ اس طرح مختلط کر دیا کہ عوام کے لیے امتیاز بین الحق والباطل ناممکن ہو گیا۔

(۲) تصوف کے نام سے عامۃ المسلمین میں اپنے عقائد شائع کر دیے اور شیخ طریقت بن کر ان عقائد کو دن رات اپنی مجلسوں میں بیان کر کے جاہل اور سادہ لوح اہل سنت کے دل و دماغ میں اس طرح پیوست کر دیا کہ وہ ان کی جذباتی' اخلاقی اور روحانی زندگی کا جزولاینفک بن کر رہ گئے۔ چنانچہ وہ ہر مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کے بجائے کسی غیر اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ ان کی زبان پر بے ساختہ کسی اپنے ہی جیسے عاجز اور فانی انسان کا نام آجاتا ہے۔ حالانکہ تصوف نام ہی ہے نقش غیر کو لوحِ دل سے مٹا دینے کا۔

کجا غیر و کو غیر و کو نقشِ غیر
سوی اللہ واللہ ما فی الوجود
کل ما فی الکون وہم او خیال
او عکوس فی المرایا او ظلال (۳۲)

(۳) اسلام کے ان دشمنوں نے تصوف کی مشہور کتابوں میں اپنے عقائد شامل کر دیے اور جہاں موقع ملا اسلامی عقائد کو حذف کر دیا۔

(۴) مشہور صوفیوں کے نام کا ناجائز استعمال کیا' یعنی کتابیں خود لکھیں مگر انہیں اہل سنت کے

(۳۱) ترجمہ:''تو محمد ﷺ کو اس مقام پر خدا جان 'ورنہ تو کسی مصیبت میں پھنس جائے گا۔ علیؓ اور محمد ﷺ دونوں خدا ہیں جو لمحہ بہ لمحہ ہم پر راز ظاہر کرتے ہیں۔

(۳۲) ترجمہ:''غیر کہاں ہے؟ غیر کون ہے؟ اور غیر کا نقش کیا ہوا؟ اللہ کی قسم ' اللہ کے سوا کسی شے کا وجود نہیں ہے۔ جو کچھ بھی کائنات میں ہے وہ وہم ہے یا خیال ہے 'یا آئینوں میں عکس ہیں یا سائے ہیں۔

مستند مشائخ روحانی سے منسوب کر دیا۔

(۵) تقیہ کی بدولت عوام اور خواص دونوں کو مدتوں تک مغالطے میں رکھا۔

کامیابی اور غیر معمولی کامیابی اس لیے ہوئی کہ مرید مسلوب الارادہ ہوتا ہے۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے کہ مرید اللہ تک پہنچنے کے لیے وہی طریق اختیار کرے جو اس کا شیخ اسے بتائے' جس طرح کسی دنیاوی فن مثلاً موسیقی' مصوری' خطاطی' سنگ تراشی وغیرہ میں کمال حاصل کرنے کے لیے شاگرد وہی طریق کار اختیار کرتا ہے جو اس کا استاد اسے بتاتا ہے' لیکن تصوف کی دنیا میں رفتہ رفتہ ایک غلطی عام ہو گئی جس کی وجہ سے تصوف بھی بدنام ہو گیا اور صوفیوں میں شخصیت پرستی بھی راہ پا گئی۔ وہ غلطی یہ تھی کہ بعض جاہل مریدوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس راہ میں مرید کو مسلوب الارادہ ہوجانے کے ساتھ ساتھ مسلوب العقل بھی ہوجانا چاہیے۔ اسی عقل و فہم سے بے گانہ ہوجانے کا یہ نتیجہ نکلا کہ تصوف کی کتابوں میں اور مشائخ کے ملفوظات میں جو خلافِ شرع اور خلافِ عقل باتیں دشمنانِ اسلام کی تدسیس و تحریف و تدلیس سے داخل ہو گئی ہیں' کوئی شخص نہ ان کی تغلیط و تکذیب کی جرأت کرتا ہے نہ انہیں ان کتابوں سے خارج کرنے کا خیال دل میں لا سکتا ہے۔ یہ ہے وہ تقلیدِ کور یا اندھی عقیدت جس نے تصوف کو بھی بدنام کیا اور مسلمانوں کی عقلی زندگی کو بھی مفلوج کر دیا۔ ع

آہ محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق!

گزشتہ بیس سال میں تصوف کی جس قدر کتابیں نظر سے گزریں اکثر و بیشتر کتابوں میں ایسی روایات موجود پائیں جو نہ نقلاً صحیح ہیں نہ عقلاً' بلکہ ان کی لغویت اظہر من الشمس ہے۔ چنانچہ آئندہ اوراق میں اس کی متعدد مثالیں درج کی جائیں گی۔ اس موقع پر میں اس حقیقت کے اظہار سے باز نہیں رہ سکتا کہ دشمنانِ اسلام نے کتب تصوف کے علاوہ مسلمانوں کے مذہبی ادب کے ہر شعبے میں اپنے عقائد شامل کر دیے ہیں اور اسلام کی تاریخ کو تو خاص طور سے تدسیس و تحریف و تدلیس کا ہدف بنایا ہے۔ (۳۳)

(۳۳) سیرۃ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مؤلفہ سید سلیمان ندوی مرحوم' ص ۱۴۲ سے اس کی ایک مثال ذیل میں درج کرتا ہوں:

''بعض شیعہ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کچھ سپاہیوں کے ساتھ ایک سپید خچر پر سوار ہوکر امام حسنؓ کے جنازے کو روکنے کے لیے نکلیں... الخ۔ یہ روایت تاریخ طبری کے ایک پرانے (نسخے) فارسی ترجمے میں' جو ہندوستان میں چھپ بھی گیا ہے' نظر سے گزری ہے' لیکن جب 7

اس تمہید کے بعد اب میں تصوف کی مختلف کتابوں سے اپنے دعوے کے ثبوت میں شواہد پیش کرتا ہوں۔

۱) 'حدیقۃ الحقیقۃ' مصنفہ حکیم سنائی غزنوی

یہ فارسی نظم میں تصوف پر قدیم ترین کتاب ہے جو میری نظر سے گزری ہے۔ اس کے دو نسخے میرے پیش نظر ہیں۔ ایک نسخہ مطبوعہ طہران ہے جس پر مدرس رضوی استاد دانش گاہ طہران نے مقدمہ بھی لکھا ہے۔ دوسرا نسخہ لکھنؤ کا چھپا ہوا ہے۔ ذیل میں مقدمۂ مذکورہ سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں:

''سنائی پہلا شاعر ہے جس نے تصوف کے مضامین کو فارسی میں نظم کیا۔ (ص کج) چونکہ اس نے اپنے عقائد کی تفصیل میں دوستیٔ آلِ علیؓ میں غلو کے علاوہ آل ابوسفیان کے ساتھ دشمنی کا اظہار بھی کیا تھا اس لیے علماء نے اس کی تکفیر کی اور اس کی کتاب کو کتابِ گمراہی قرار دیا اور اس حد تک مخالفت کی کہ بہرام شاہ سلطان غزنوی نے اسے قید کردیا۔ (ص ل) زمانۂ تصنیف (چھٹی صدی ہجری) سے اب تک اس کتاب میں ''تحریفات و تصرفاتِ فراواں'' ہو چکی ہے۔ (ص لب) مختلف قلمی نسخوں میں اشعار کی تعداد مختلف ہے۔ بعض نسخوں میں پانچ ہزار ابیات ہیں' بعض میں چھ ہزار اور بعض میں دس ہزار ہیں (ص لب)۔ اس کتاب کے دو نسخے ایسے نہیں ملتے ہیں جن میں موافقت ہو۔ اور یہ اختلاف کبھی اس حد تک نظر آتا ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے (ص نط) قلمی نسخہ موسومہ ''ی'' میں مناقب امیر المؤمنین علیؓ بن ابی طالب و اولادہ الحسنؓ و الحسینؓ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ (ص ۵۸) قلمی نسخہ موسومہ ''م'' اور بعض دوسرے نسخوں میں فصل ''حرب جمل'' موجود نہیں ہے۔'' (ص ۲۵۵)

مقدمہ نگار مذکور نے حواشی میں صدہا اختلافات کی نشان دہی کی ہے' جنہیں بخوفِ

صل متن عربی مطبوعہ یورپ کی طرف رجوع کیا تو جلد ہفتم کا ایک ایک لفظ پڑھنے کے بعد بھی یہ واقعہ نہ ملا۔ طبری کے اس فارسی ترجمے میدر حقیقت بہت سے حذف و اضافے ہیں۔''

میں بھی اسلامی ادب کا پچاس سال سے زائد عرصے تک مطالعہ کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قرآن حکیم کو

چھوڑ کر دشمنانِ اسلام نے ہر علم و فن کی کتابوں میں خصوصاً تاریخ، حدیث اور تصوف کی کتابوں میں حذف و اضافہ کا ''مقدس فریضہ'' سرانجام دیا ہے اور اس کا خاص مقصد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تنقیص و توہین و تحقیر ہے۔ اعوذ باللہ من ھٰذہ الخرافات۔

طوالت نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ ایضاحِ مقصد کے لیے یہی دو حوالے کافی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی سبائی نے مناقب علی و اولادہ اور حرب جمل کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے سنائی کی شخصیت اور اس کی کتاب دونوں کو محل شک، باعث تقبیح اور موجب لائمۃ لائم بنادیا، یعنی ایک تیر سے تین شکار کیے۔ اس تدسیس و تحریف اور حذف و اضافہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری کتاب پایۂ اعتبار سے ساقط ہو گئی۔ اب ہمارے پاس کوئی آلہ یا مقیاس یا معیار ایسا نہیں ہے کہ جس کی بناء پر ہم قطعیت کے ساتھ کوئی حکم لگا سکیں۔ اس کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

جو نسخہ نولکشور پریس لکھنؤ سے ۱۸۸۷ء میں شائع ہوا تھا اس کے ساتھ خواجہ عبداللطیف العباسیؒ کے حواشی بھی ہیں۔ خواجہ صاحب مرحوم اپنے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''چونکہ ہندوستان میں ''دو نسخہ باہم موافقت یافت نمی شد'' اس لیے نواب محمد عزیز کو کلتاش المقلب بخانِ اعظم نے ۱۰۰۰ھ میں ایک شخص کو غزنی بھیجا کہ وہاں سے صحیح نقل حاصل کرے۔ میں نے یہ نسخہ امیر عبدالرزاق کے پاس اپنے وطن آگرہ میں دیکھا۔ ۱۰۳۷ھ میں اس پر حواشی لکھے۔'' (ملخص از دیباچہ)

خواجہ صاحب مرحوم قبل ازیں مثنوی مولانا روم کے مشکل اشعار کی شرح کر کے علمی دنیا میں شہرت حاصل کر چکے تھے۔ اس شرح کا نام لطائف معنوی ہے اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ مشہور معاند اسلام پروفیسر آر اے نکلسن نے اپنے ترجمہ اور حواشی میں اس شرح سے استفادۂ کلی کیا ہے۔ حدیقہ پر جو حواشی خواجہ صاحب مرحوم نے لکھے ہیں وہ میری رائے میں حرفِ آخر کا حکم رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بعد کسی کو اس کتاب پر حواشی لکھنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ (۳۴)

آمدم برسر مطلب، سنائی نے اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثناء کے بعد حضرات صدیق اکبر، فاروق اعظم اور عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مناقب لکھے ہیں۔ ان سے یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ اہل سنت میں سے تھا۔ لیکن جب وہ حضرات علی، حسن اور حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے

(۳۴) میں نے یہ چند سطور قصداً لکھی ہیں تاکہ خواجہ صاحب مرحوم کا نام نامی تاریخ تصوف کے اوراق میں محفوظ ہو جائے، ورنہ ظاہر ہے کہ جس طرح میرے زمانہ طفولیت میں عربی ختم ہو رہی تھی، اسی طرح ستر سال کے بعد فارسی بھی آخری ہچکیاں لے رہی ہے۔ وہ زمانہ بہت قریب ہے جب اس ملک کے دانشور فارسی ادب سے بھی اسی طرح بے گانہ ہو جائیں گے جس طرح عربی ادب سے ناآشنا ہو چکے ہیں۔

ہے تو پیروانِ ابن سباء کا لب و لہجہ اور اندازِ بیان اختیار کر لیتا ہے۔ نیز ان تمام روایات کو بآب و تاب بیان کرتا ہے جو قطعاً وضعی ہیں اور تمام محدثین نے انہیں ردّ کر دیا ہے۔ میں بخوفِ طوالت وہ تمام اشعار تو نقل نہیں کر سکتا، مگر صفحات کا حوالہ درج کیے دیتا ہوں: صفحہ ۲۷۱، ۲۷۳، ۲۷۸ تا ۲۹۹ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۷ئ۔ بطورِ نمونہ چند اشعار پیش کرتا ہوں۔

عنوان ''حربِ جمل'' کے تحت نولکشوری اور ایرانی دو نسخوں میں یہ اشعار مندرج ہیں:

در جمل چوں معاویہ بگریخت — خونِ ناحق بسے بخیرہ بریخت
شد ہزیمت بجانبِ بغداد — گشتہ از فعلِ زشت خود ناشاد
سرِ اجرار حیدرِ کرّار — سرفرازِ مہاجر و انصار
چوں مصافِ معاویہ بشکست — یافت بر لشکرِ معاویہ دست
جمل آں ستیزہ را پے کرد — برگ و سازِ معاویہ فے کرد
ھودج زن بخاکِ تیرہ فتاد — وز خجالت نقابِ رخ نکشاد!
گفت بد کردہ ام امانم دہ — در ترحّم کنوں زمانم دہ
خواند حیدر برادرش را زود — جملہ احوال ھا ورا بنمود
رفت وقتے محمدِ بوبکر — آں ہمہ صدق و فارغ از ہمہ مکر
پس برآہیخت تیغ تا بزند — گفت حیدر مکن، کس ایں نکند
عفو کن تا بسوئے خانہ رود — بعد ازیں کارہائے بد نکند
بسوئے مکہ زود بفرستاد — در تواضع محلِ او نہ نہاد
با ہزاراں خجالت و تشویر — رفت زی مکہ جفتِ گرم و زحیر
عاقبت ہم بدست آں باغی — شد شہید و بکشتش آں طاغی
آنکہ با جفتِ مصطفیٰؐ زیناں — بد کند مرد را بمرد مخواں

چوں ازیں گشت فارغ آں بدمرد قصدِ جانِ امیرِ حیدر کرد
پسرِ ہند اگر بدو بد کرد آں بدی داں کہ جملہ با خود کرد(۳۵)

---

(۳۵) ترجمہ: جنگ جمل میں جب معاویہ شکست کھا کر بھاگا تو خونِ ناحق بڑی بے حیائی سے بہایا۔ وہ بغداد کی طرف پسپا ہوا جبکہ وہ اپنے برے عمل سے خود ہی ناخوش تھا۔ بہادروں کے سردار حیدرؓ کرار' مہاجر و انصار میں سربلند۔ جب معاویہ کے لشکر کی صفیں درہم برہم ہوئیں تو آپؓ نے معاویہ کے لشکر پر فتح حاصل کی۔ جنگ جمل کو سر کر لیا اور معاویہ کے مال و اسباب کو مالِ غنیمت بنا لیا۔ عورت (عائشہؓ) کے کجاوے کو مٹی میں ملا دیا۔ شرمندگی کی وجہ سے اس عورت

میں نے یہ اشعار کلیجے پر پتھر کی سل رکھ کر نقل کیے ہیں' انتہائی مجبوری میں' کیونکہ اگر میں ان ناپاک اشعار کو نقل نہ کرتا تو اپنا دعویٰ ثابت نہ کر سکتا کہ پیروانِ عبداللہ بن سباء نے' جن کی اسلام دشمنی کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ انہوںنے ۳۱۷ھ میں خانہ کعبہ سے حجر اسود اکھیڑ کر اپنے پیشوا کے مکان کی دہلیز میں دفن کر دیا تھا تاکہ ہر آنے اور جانے والا اسے پامال کرتا رہے' تصوف کی کتابوں میں حذف و اضافہ کا ''مقدس فریضہ'' انجام دے کر لاکھوں مسلمانوں کی گمراہی کا سامان مہیا کر دیا ہے اور ان کی داخل کردہ روایات مرورِ ایام سے مسلمان صوفیوں کے دماغوں میں اس طرح پیوست ہو چکی ہیں کہ ان کا جدا کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان مسلمانوں کی مجلس میں ان جھوٹی روایات کو جھوٹا کہہ دے تو تمام سنی مسلمان اس کو سنگسار کر دیں گے۔

اب ناظرین ان اشعارِ آبدار کو پڑھ کر خود فیصلہ کر لیں کہ کیا کوئی صحیح العقیدہ سنی مسلمان اس قسم کے ناپاک اشعار لکھ سکتا ہے؟ لاریب ان اشعار کا کہنے والا دشمن اسلام ہی نہیں ہے بلکہ جاہل بھی ہے۔ اگر یہ اشعار سنائی ہی کے ہیں تو اس کی اسلام دشمنی اور جہالت دونوں باتیں اظہر من الشمس ہیں' اور اگر اس کے نہیں ہیں تو میرا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ یہ اشعار کسی دشمن دین سبائی نے اپنی طرف سے کتاب میں داخل کر دیے ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ سنائی کی جلالت ِشان کی بدولت آٹھ سو سال میں کئی لاکھ مسلمانوں کا ایمان تباہ ہوا ہو گا۔ اگر سنائی کو_____

>> نے چہرے کے نقاب کو نہ ہٹایا۔ اس عورت نے کہا کہ میں نے غلطی کی ہے مجھے امان دے دو' اب مجھے اپنے رحم سے مہلت دے دو۔ حیدرؓ نے جلدی سے اس کے بھائی کو بلایا اور تمام حالات بتائے ۔ اُسی وقت محمد بن ابوبکرؓ نے تمام تر سچائی قبول کی اور مکر و فریب چھوڑ دیا ۔ اپنی بہن کو قتل کرنے کے لیے تلوار میان سے کھینچی تو حیدرؓ نے کہا نہ کر' ایسا نہیں کرتے۔ اسے معاف کر دے تاکہ یہ اپنے گھر چلی جائے اور اس کے بعد برے کام نہ کرے۔ چنانچہ اسے فوراًمکہ کی طرف بھیج دیا اور اس کی تکریم میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ وہ ہزار خجالت و شرمندگی سے مکہ کی طرف چلی گئی' رنج و غم اور پریشانی کے ملے جلے جذبات لیے۔ بالآخر وہ (عائشہ) اس باغی (معاویہ) کے ہاتھوں شہید ہو گئی۔ اس سرکش نے اس کا کام تمام کر دیا۔ جناب مصطفی ﷺ کی زوجہ کے ساتھ اس مرد نے' جسے مرد مت کہو' بہت برا سلوک کیا۔ جب یہ برا آدمی اس کام سے فارغ ہوا تو اس نے امیر حیدرؓ کی جان کا قصد کیا۔ ہند کے بیٹے (معاویہ) نے اگر اس کے ساتھ برائی کی تو اس بدکردار نے سب کچھ اپنے ساتھ ہی کیا۔ ''

خباثت اور سبائیت سے بری کرنے کے لیے ان اشعار کو الحاقی تسلیم کر لیا جائے تو بھی دشمنانِ اسلام تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ اور چونکہ ان اشعار کو متنِ کتاب سے حذف کر دینے کا کوئی امکان نہیں ہے اس لیے آبِ زم زم میں یہ ناپاک قطرات بدستور شامل رہیں گے۔

خواجہ عبداللطیف عباسی شارح حدیقہ نے ان اشعار پر یہ حاشیہ لکھا ہے :

"پس بحکم عقل و نقل کہ کتب معتبرہ سیرمثل روضۃ الاحباب وغیرھا بآں ناطق است' ثابت و محقق شد کہ ایں داستان وما یتعلق بہا دریں کتاب الحاقی است واز حکیم نیست' واللہ اعلم بالصواب۔" (حاشیہ :ص۲۸۰) (۳۶)

یہ حقیقت کہ ان اشعار کا مصنف تاریخ سے ناآشنا ہے' یعنی جاہل ہے' ان اشعار سے عیاں ہے۔

(۱) ع در جمل چوں معاویہ بگریخت: تاریخ اسلام کا ہر واقف جانتا ہے کہ جنگ جمل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قطعاً شریک نہیں ہوئے تھے۔

(۲) ع پس برآہیخت تیغ تا بزند: کسی تاریخ میں یہ بات مذکور نہیں ہے کہ محمد بن ابی بکر نے اپنی خواہر محترمہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

(۳) ع شد شہید و بکشتش آں طاغی: کسی تاریخ میں یہ بات مرقوم نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کو شہید کیا تھا۔

ان صریح کذب بیانیوں کے علاوہ ان اشعار میں اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شانِ اقدس میں جو ژاژخائی اور ہرزہ سرائی کی گئی ہے اس سے صاف طور پر ثابت ہے کہ اس کا مرتکب اللہ' رسول اللہ ﷺ اور دینِ اسلام سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ سیدۃ النساء حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

بفحوائے کلام اللہ سب مُسلمانو کی ماں ہیں۔ اپنی ماں کی توہین کرنے والا اسلام تو درکنار انسانیت ہی سے خارج ہو جاتا ہے۔

آخر میں فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں۔ ان کا جی چاہے سنائی کو دائرۂ انسانیت سے خارج کر دیں' یا پھر ان ہفوات کو کسی دشمن اسلام کی خباثتِ قلبی کا مظاہرہ یقین کر کے الحاقی قرار دیں۔ میں بذاتِ خود ان اشعار کو الحاقی یقین کرتا ہوں۔_____

(۳۶) ترجمہ: ''پس عقل و نقل کے مطابق سیرت کی معتبر کتابیں جیسے روضۃ الاحباب وغیرہ اس پر تبصرہ کرتی ہیں جس سے یہ ثابت اور محقق ہوتا ہے کہ یہ داستان اور اس کے متعلقات اس کتاب میں بعد میں داخل کیے گئے ہیں اور یہ حکیم (سنائی) کے لکھے ہوئے نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے!''

'فوائد الفوائد' ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

منہاج سراج نے اپنی مشہور تاریخ موسومہ طبقات ناصری میں صفحہ ۹۸ پر سلطانہ رضیہ بنت التتمش کے عہدِ حکومت کے واقعات میں لکھا ہے:

''۶۳۴ھ میں نور ترک قرمطی نے ملتان سے نقل مکانی کر کے دہلی میں ایک خانقاہ قائم کی۔ اپنے آپ کو صوفی ظاہر کر کے بہت سے مسلمانوں کو اپنا معتقد بنا لیا۔ رفتہ رفتہ گجرات اور سندھ کے بہت سے قرمطی اس خانقاہ میں جمع ہو گئے۔ نور ترک نے اپنی خانقاہ میں وعظ و تلقین و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ اپنی تقریروں میں سنی علماء کو ناصبی کہتا تھا اور عوام کو ابوحنیفہؒ کے مذہب سے متنفر کرتا تھا۔ جب عوام پر اس کا مذہبی اقتدار قائم ہو گیا تو ۶ رجب ۶۳۴ھ کو جمعہ کے دن ان قرامطہ نے جامع مسجد میں داخل ہو کر نہتے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا' مگر انجام کار شاہی فوج نے ان کو مغلوب کر کے تہ تیغ کر دیا۔''

قاضی منہاج کی یہ شہادت ہم عصرانہ ہے' اس لیے یقینی طور پر صحیح ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ نور ترک ایک

قرمطی داعی تھا۔ لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی تصنیف اخبار الاخیار میں جو اس واقعے کے چار سو برس بعد لکھی گئی، یہ لکھا ہے:

''اگرچہ قاضی منہاج نے طبقات ناصری میں اس شخص کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ اس سے تشنیع مذہب لازم آتی ہے، مگر فوائد الفوائد میں یہ مذکور ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اگرچہ بعض علماء نے اس کی مذمت کی ہے مگر وہ ''از آبِ آسماں پاکیزہ تر بود۔''

فوائد الفوائد کے اس ایک جملے سے نور ترک قرمطی زمانہ ٔمابعد کے صوفیوں کی نظر میں ''آسمان کے پانی سے بھی پاکیزہ تر'' بن گیا۔ کیونکہ کسی صوفی میں یہ اَخلاقی جرأت نہیں ہے کہ وہ یہ کہہ سکے کہ یہ فقرہ الحاقی ہے اور کسی قرمطی نے اپنی طرف سے ملفوظات شیخ میں اضافہ کر کے اسے سلطان المشائخؒ سے منسوب کر دیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک معتبر معاصرانہ شہادت بہرحال لائق تسلیم ہے۔

ملفوظات بہرحال ملفوظات ہی ہیں، انہیں استناد کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ قاضی منہاج صاف لکھتے ہیں کہ وہ قرمطی تھا اور اس کی خانقاہ میں بہت سے قرمطی سکونت پذیر تھے۔ اس لیے ثابت ہوا کہ وہ آبِ آسمان سے پاکیزہ تر نہیں ہے۔ لہٰذا یہ جملہ سلطان المشائخ کا نہیں ہے، کسی نے ان سے منسوب کر دیا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ''ملفوظات'' کے مجموعے از اوّل تا آخر لائق اعتماد ہیں، ہرگز صحیح نہیں ہے۔ میں اس جگہ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ مزید مثالیں اپنے موقع پر درج کی جائیں گی۔

سلطان المشائخؒ نے اپنے مرشد شیخ فرید الدین گنج شکر اجودھنؒ کے ملفوظات کو ''راحۃ القلوب'' کے نام سے مرتب کیا تھا۔ میرے پیش نظر اس کا جو نسخہ ہے وہ ۱۳۰۹ھ میں طبع ہوا تھا۔ اس کے صفحہ ۸۵ پر یہ ''ملفوظ'' درج ہے، جس کا اردو ترجمہ میں بقائمی ہوش و حواس ذیل میں نقل کرتا ہوں:

''ایک دن آنحضرت ﷺ با جمیع صحابہ کبارؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت معاویہؓ یزید پلید کو اپنے کاندھے پر بٹھائے سامنے سے گزرے۔ آنحضرت ﷺ ہنسے اور کہا ''سبحان اللہ، ایک دوزخی ایک بہشتی (جنتی) کے کاندھے پر سوار ہو کر جا رہا ہے''۔ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن کر کہا: یارسول اللہ ﷺ! یہ تو معاویہ کا بیٹا ہے، دوزخی از کجا است؟ (دوزخی کیسے ہے؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''یاعلی! یہ یزید بدبخت وہ ہے جو حسن اور حسین اور میری تمام آل کو شہید کرے گا''۔ یہ سن کر علیؓ کھڑے ہو گئے۔ تلوار نیام سے نکالی کہ ایشاں را بکشد (تاکہ اسے قتل کردیں)۔ مگر آنحضرت ﷺ مانع ہوئے کہ: ''اے علی! ایسا مت کر کہ اللہ کی تقدیر یہی فیصلہ کر چکی ہے''۔ یہ سن کر علیؓ رونے لگے اور پوچھا: ''یارسول اللہ ﷺ! آپ اُس وقت ہمارے سر پر (زندہ) ہوں گے؟ فرمایا: ''نہیں''۔ پھر پوچھا: یاروں میں سے کوئی زندہ ہو گا؟... (لفظ پڑھا نہ جا سکا) پھر پوچھا: میں زندہ

ہوں گا؟ کہا: ''نہیں''۔ پھر پوچھا: فاطمہ ہوں گی؟ کہا: ''نہیں''۔ پھر پوچھا: یارسول اللہ ﷺ ! میرے غریبوں کا ماتم کون کرے گا؟ جواب دیا: ''میرے اُمتی''۔ اس کے بعد علیؓ اور رسولِ خدا ﷺ دونوں روئے اور شہزادوں کو سینے سے لگا کر بآوازِ بلند کہا: اے غریبو! ہم نہیں جانتے کہ اس دشت میں تمہارا کیا حال ہو گا!'' (انتہیٰ بلفظہ)

تنقید و تبصرہ سے پہلے ناظرین اس بات پر غور کریں کہ اس روایت کا ناقل کون ہے! سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیائؒ۔ وہ کس سے نقل کر رہے ہیں؟ اپنے پیرومرشد شیخ المشائخ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ سے۔ اب وہ کون سا چشتی ہو گا جسے ان خرافات کی صحت میں شک ہو سکتا ہے؟ لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ روایت از اوّل تا آخر کذب و افتراء اور بہتان ہے۔ کیونکہ:

(ا) آنحضرت ﷺ کی وفات بلاشک و شبہ ۱۱ھ میں ہو گئی تھی۔

(ب) امیر یزید کی ولادت ۲۶ھ میں ہوئی تھی۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ افسانہ سراسر جھوٹا ہے۔ کسی سبائی نے یہ لغو اور من گھڑت داستان ملفوظات میں شامل کر دی ہے، تاکہ مسلمان بالعموم اور چشتی افراد بالخصوص اس شخص کو دوزخی

یقین کر لیں جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے یہ بشارت دی تھی کہ ''پہلا لشکر جو قیصر روم کے شہر پر حملہ آور ہو گا، مغفور ہے۔''

ظاہر ہے کہ یہ بشارت آپ ﷺ نے وحی الٰہی کی بنا پر دی تھی، اس لیے اس کی صداقت پر کوئی شک نہیں ہے۔ اب سنیے کہ جس لشکر نے سب سے پہلے قیصر کے شہر پر حملہ کیا تھا اس کی قیادت امیر یزید نے کی تھی اور حضرت حسینؓ کے علاوہ بہت سے صحابہؓ نے اسی لیے باشتیاقِ تمام اس جہاد میں شرکت کی تھی کہ حضورِ انور ﷺ نے مجاہدین کے جنتی ہونے کی بشارت دے دی تھی۔ دیگر صحابہؓ کے ساتھ حضرت حسینؓ نے بھی اسی شخص کی اقتداء میں نمازیں پڑھی تھیں، جسے مسلمان کہلانے والے ''دوزخی'' سمجھتے ہیں۔ کیسی خدا کی شان ہے! جسے حضور ﷺ مغفور قرار دیں، آپ ﷺ کے نام لیوا اسے ملعون کہتے نہیں تھکتے۔

خیر یہ تو ایک سخن گسترانہ بات تھی۔ میں نے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا کہ جو ملفوظات بزرگانِ دین سے منسوب ہیں وہ کلیتاً قابل اعتماد نہیں ہیں۔ ان میں سبائیوں نے جھوٹی روایات اپنی طرف سے داخل کر دی ہیں۔

۳) جامیؒ پر دست درازی

سنائی، عطار اور رومیؒ کے بعد صوفیانہ ادب میں جامیؒ کا نام معروف ترین ہے۔(۳۷) جیسا کہ ہر طالب علم جانتا ہے جامی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے وابستہ ہیں، یہ سلسلہ افضل الصحابہ، بلکہ افضل البشر بعد الانبیائ، وارثِ کمالاتِ نبوت، متمکن ذروۂ ولایت، ثانی اسلام و غار و بدر و قبر خلیفۂ رسول بلافصل، امیر المؤمنین قدوۃ الصدیقین سیدنا

و مولانا حضرت ابوبکر الملقب بصدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ جامی نے سب سے پہلے مولانا سعد الدین کاشغری نقشبندیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی وفات ۸۶۰ھ کے بعد خواجہ ناصر الدین ؒالمقلب بخواجہ ٔاحرار ۸۹۵ھ سے رشتہ ارادت استوار کیا اور باقاعدہ سلوک طے کر کے وہ مقام حاصل کیا کہ ان کا شمار سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ میں ہوتا ہے۔ تمام تذکرہ نویسوں نے انہیں اہل سنت میں شمار کیا ہے۔ انہوں نے اپنی اکثر تصانیف میں خلفاء اربعہ کی مدح کی ہے۔ مثلاً:

یکے ثانی اثنین در کنجِ غار　　کہ چوں مار شد ناوکِ جاں شکار

---

(۳۷)درِ دلہائے بستہ را کشاید
دو بیت از پیرِ رومی یا ز جامی
(اقبال)
یعنی ''مرشد رومی یا جامی کے دو شعر دلوں کے بند دروازے کھول دیتے ہیں۔''

دوم آنکہ از سکّۂ عدلِ اوست　　کزیں گونہ دنیا و دین سرخ روست

سوم شرم گیتی کہ شد بے قصور　　ز شمعِ نبوت نصیبش دو نور

چہارم کہ آں ابرِ دریا نثار　　غم او کرم ' برقِ او ذوالفقار

(مثنوی خرد نامہ اسکندری)(۳۸)

وز میانِ ہمہ نبودِ حقیق　　بخلافت کسے بہ از صدیقؓ
وز پئے او نبود ازاں احرار　　کس چو فاروقؓ لائقِ ایں کار
بعد فاروقؓ جز بذی النورینؓ　　کارِ ملت نیافت زینت و زین

بود بعد از ھمہ بعلم و وفا　　اسدؓ اللہ خاتم الخلفاء
لعن کز رافضی شود واقع　　شود آں لعن ہم بدو راجع

(سلسلۃ الذہب)(۳۹)

آں چار ستونِ خانۂ دیں　　واں چار چراغ بزمِ تمکین
ہریک بخلافت سزاوار　　ہر چار یکے و ہر یکے چار
ایشاں بہ یگانگی بہم راست　　بیگانگی از فضول ماخاست

(لیلیٰ مجنوں)(۴۰)

(۳۸)ترجمہ: ''اوّل وہ کہ دو میں کا دوسرا غار کے کونے میں تھا جب کہ سانپ اس کی جان کا شکاری بنا۔دوسرے وہ جو اپنے عدل و انصاف کی وجہ سے دنیا و دین میں سرخ رو ہوا۔ تیسرے وہ جو شرم و حیا کی وجہ سے بے قصور تھا' نبی مکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی شمع سے دو نور اس کے نصیب میں ہوئے۔ چوتھے بادل اور دریا کی طرح سخاوت کرنے والا (علی) کہ اس کا غم رحمت اور اس کی بجلی ذوالفقار تھی۔''

(۳۹)ترجمہ:''حقیقت میں سب کے درمیان خلافت کے لیے موزوں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی نہ تھا۔ اس کے بعد اس کام کے لیے ان کے اندر کوئی شخص عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے زیادہ لائق نہ تھا۔ فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے سوا کارِ ملت کو زینت دینے والا کوئی نہ ملا۔ ان سب کے بعد علم و وفاداری میں اسد اللہ رضی اللہ عنہ خاتم الخلفاء سے بہتر کوئی نہ تھا۔وہ لعنت جو کسی رافضی کی طرف سے ہوتی ہے وہ اس لعنت کرنے والے پر ہی لوٹ جاتی ہے۔''

(۴۰)ترجمہ: ''وہ دین کے گھر کے چار ستون' اور خوبصورت محفل میں رکھے ہوئے چار چراغ' ان میں سے ہر ایک برابر خلافت کا حق دار ہے۔ وہ چاروں ایک جیسے ہیں اور ہر ایک چاروں کی طرح ہے۔ وہ سب یکتائی سے درست ہیں' اکٹھے ہیں۔ہمارے فضائل کے سبب بیگانگی اُٹھ گئی ہے۔''

لیکن ان تصریحات کے باوجود بعض لوگوں نے ان کو مائل بہ تشیع قرار دیا ہے اور بعضوں نے ان کو اہل تقیہ میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ محمد حسین الحسینی خاتون آبادی لکھتا ہے:

''ان تمام دلائل کے باوجود جو ان کے ناصبی ہونے پر شاہد ہیں' ہم ان کو اہل تقیہ میں شمار کرسکتے ہیں'

یعنی وہ دل میں شیعہ تھے مگر زبان و قلم سے اپنے آپ کو سنی ظاہر کرتے تھے۔''

پھر اپنے مدعا کی تائید میں اس نے یہ حکایت نقل کی ہے جس کا راوی علی بن عبدالعال ہے۔ وہ کہتا ہے:

''میں سفر نجف میں جامی کے ساتھ تھا۔ میں نے تقیہ کر کے اپنے عقائد کو ان سے پوشیدہ رکھا تھا۔ جب ہم بغداد پہنچے تو ایک دن لب ِدجلہ تفریح کے لیے گئے۔ اتفاقاً ایک قلندر وہاں آنکلا اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی شان میں ایک قصیدۂ غرا سنانا شروع کیا۔ جامی پر رقت طاری ہو گئی اور سر بسجود ہو گئے' پھر سر اٹھایا' قلندر کو پاس بلایا اور بہت انعام دیا۔ اس کے بعد مجھ سے پوچھا: ''تم نے مجھ سے گریہ اور سجدے کا سبب کیوں نہیں پوچھا؟'' میں نے کہا: ''اس کا سبب آشکار تھا' کیونکہ علی خلیفۂ چہارم ہیں اور ان کی تعظیم واجب ہے''۔ یہ سن کر جامی نے کہا: ''علی خلیفۂ چہارم نہیں ہیں' بلکہ پہلے خلیفہ ہیں۔ اب مناسب ہے کہ میں تقیہ کا لبادہ اتار دوں۔ اور چونکہ ہمارے درمیان مودّت پیدا ہو چکی ہے اس لیے میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں شیعان خلص امامیہ میں سے ہوں ' لیکن تقیہ کرنا واجب ہے''۔ نیز بعضے از افاضل ثقات نے بیان کیا ہے کہ ہم نے جامی کے خدام سے یہ سنا ہے کہ ان کے تمام اہل بیت مذہب امامیہ رکھتے تھے' لیکن مولانا تقیہ میں بہت مبالغہ فرماتے تھے اور ہمیشہ اپنے اہل و عشیرت کو اس کی وصیت کرتے رہتے تھے۔''

یہ فسانۂ عجائب نقل کرنے کے بعد کلیاتِ جامی کا مقدمہ نگار لکھتا ہے کہ:

''جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اس سے تمائل نسبت بشیعہ امامیہ تو ثابت ہوتا ہے لیکن یہ تمام دلائل بہت سست پایہ ہیں' کیونکہ جامی نے صاف لفظوں میں ابوطالب کو کافر قرار دیا ہے۔''

بعضوں نے کہا ہے کہ جامی شروع میں سُنّی تھے مگر آخری عمر میں شیعہ ہو گئے تھے۔ مقدمہ نگار (ہاشم رضی) لکھتا ہے کہ ''یہ بات بھی غلط ہے' کیونکہ خردنامہ اسکندری آخری عمر میں لکھی تھی مگر اس میں بھی انہوں نے خلفائے اربعہ کی مدح کی ہے''۔ یہی مقدمہ نگار صفحہ ۱۹۸ پر پھر لکھتا ہے کہ ''چونکہ جامی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدح میں قصائد لکھے ہیں اور بعض غزلوں میں بھی ان

کی توصیف کی ہے اس لیے بعض لوگوں نے انہیں روشِ امامیہ اور تشیع سے منسوب کر دیا ہے''۔

خلاصۂ کلام ایں کہ جامی کے بارے میں حسب ذیل خیالات ظاہر کیے گئے ہیں:

(۱) بعض انہیں سُنّی کہتے ہیں اور سُنّی بھی نقشبندی۔

(۲) بعض نے انہیں مائل بہ تشیع لکھا ہے۔

(۳) بعض کا خیال ہے کہ وہ ساری عمر تقیہ فرماتے رہے۔

(۴) بعض کا خیال ہے کہ شروع میں سُنّی تھے لیکن قبل وفات شیعہ ہو گئے تھے۔
فتنہ پردازوں نے یہ اتہامات اس شخص پر لگائے ہیں جس نے ''سلسلۃ الذہب'' میں صاف طور پر لکھا ہے :

بود بو طالب آں تہی ز طلب　　مر نبیؐ را عم و علیؓ را اب
خویش و نزدیک بود با ایشاں　　نسبتِ دیں نیافت با خویشاں
ہیچ سودے نداشت آں نسبش　　شد مقرر سقر چو بو لہبش ! (۴۱)

انہی اشعار کی پاداش میں بقول مقدمہ نگار ''شاہ اسماعیل صفوی ہنگام تسخیر بلدۂ ہرات بنا بر تعصّبِ مذہب قبر مولوی را منہدم ساخت'' (ص ۱۹۳) (۴۲)

اس کے باوجود اربابِ کیس نے ان کے مذہبی عقائد کو عامۃ المسلمین کی نظروں میں اور کچھ نہیں تو مشتبہ اور محل بحث و نزاع یقینا بنا دیا ہے۔باطل پرستوں نے ایک جھوٹی روایت بھی تصنیف کر دی کہ سفر نجف میں انہوں نے اپنے ہم سفر سے اپنے شیعہ ہونے کا اقرار کیا تھا۔ یہ روایت بالکل لغو اور بے اصل و بے سندہے۔ مگر یہ طائفہ ضالہ بخوبی واقف ہے کہ عوام نہ تنقید کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ انہیں تنقید کی فرصت ہوتی ہے۔ جامی کے بارے میں جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ سب کلیاتِ جامی کے مقدمے سے ماخوذ ہے جو ہاشم رضا ایرانی نے لکھا ہے ۔(ص ۸۶ تا ۹۶ و ۱۹۱ تا ۱۹۷)

---

(۴۱) ترجمہ : ''ابوطالب محرومِ ہدایت رہا جو نبی اکرمﷺ کا چچا اور علی رضی اللہ عنہ کا والد تھا۔ وہ ان کے ساتھ بہت قرب و قرابت رکھتا تھا مگر اپنوں سے دین کی نسبت حاصل نہ کر سکا۔ اس کا یہ نسب اسے کوئی فائدہ نہ دے سکااور وہ (اپنے بھائی) ابولہب کی طرح دو زخ کا مکین ہوا۔''(۴۲) ترجمہ : ''شاہ اسماعیل صفوی نے ہرات کے علاقہ پر قبضہ کے دوران فرقہ وارانہ تعصب کی بنا پر مولوی (جامی) کی قبر کو منہدم کر دیا۔''

میرا مقصد اس بحث سے یہ واضح کرنا ہے کہ سبائیہ باطنیہ اور دشمنانِ صحابہؓ نے مشہور صوفیوں کے عقائد میں دیدہ و دانستہ ایسے شبہات پیدا کر دیے ہیں جن سے ان کے عقیدت مندوں کے قلوب میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ وہ یا تو تقیہ کرتے تھے یا مائل بہ تشیع تھے' اور اس طرح انہیں ان کے آبائی مذہب سے برگشتہ کرنا آسان ہو

جائے گا (اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ قدرتی طور پر ان کا میلان بھی تشیع کی طرف ہو جائے گا)۔ راقم الحروف کے استنتاج کی بحث تاریخی شواہد سے پایۂ ثبوت تک پہنچ سکتی ہے۔ پاکستان کے اکثر و بیشتر سُنّی بزرگوں کے مزاروں کے سجادہ نشین اور متولی مذہب امامیہ اختیار کر چکے ہیں اور اپنے بزرگوں کے جاہل عقیدت مندوں سے یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرات بھی امامیہ مذہب ہی کے پیرو تھے۔ کیا طرفہ تماشا ہے! صاحب ِمزار سُنّی تھا' لیکن آج اس کا سجادہ نشین یا متولی شیعہ ہے۔ لاریب یہ اسی طریق کار کا ثمر شیریں ہے جو اس جماعت نے ایک ہزار برس سے اختیار کر رکھا ہے کہ جس طرح ہو سکے صوفیوں کو مسلک ِامامیہ کا پیرو ثابت کرو تاکہ عوام بھی اپنے پیشوائوں کے مذہب کی طرف مائل ہو سکیں۔

۴) رومیؒ کے دیوان اور ملفوظات میں الحاق

مولانا رومی کی مثنوی میں جہاں تک میری معلومات ہیں' سبائیہ اور قرامطہ نے تدسیس نہیں کی' لیکن ان کے دیوان میں چند غزلیات اپنی طرف سے ضرور داخل کر دی ہیں اور ان کے ملفوظات میں بھی ایک روایت ایسی درج کر دی ہے جو رومی ہرگز بیان نہیں کر سکتے تھے۔ اس وقت میرے پیش نظر ''فیہ ما فیہ'' کا انگریزی ترجمہ ہے۔ اس میں صفحہ ۹۹ پر رومی سے یہ روایت منسوب ہے۔ پڑھیے اور سر دھنیے:

''نقل ہے کہ ایک شب آنحضرت ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ کسی غزوے سے واپس آئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ''ببانگ ِدُہل اعلان کر دو کہ آج کی رات ہم شہر کے دروازے کے پاس بسر کریں گے اور کل صبح شہر میں داخل ہوں گے''۔ یہ سن کر صحابہؓ نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ ہو سکتا ہے کہ تم اپنی بیویوں کو اجنبی لوگوں کے ساتھ مباشرت میں مشغول پائو اور یہ دیکھ کر تمہیں بہت صدمہ ہو گا اور ایک ہنگامہ برپا ہو جائے گا''۔ لیکن ایک صحابی نے حضور ﷺ کے ارشاد پر عمل نہ کیا' وہ اپنے گھر چلے گئے' چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک غیر مرد کے ساتھ مشغول پایا۔''

اس لغو روایت پر تنقید کرنے کو دل نہیں چاہتا' تاہم دل پر جبر کر کے اتنا لکھنا ضروری ہے کہ یہ روایت کسی سبائی کے خبث ِباطنی کی مظہر ہے۔ اُس نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کو بھی ختم کر کے

اپنی اسلام دشمنی کا پورا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔

(ا) اگرچہ آنحضرت ﷺ کو بذریعہ علم غیب معلوم ہو چکا تھا کہ صحابہؓ کی بیویاں غیروں سے زنا کرا رہی ہیں' اس کے باوجود آپؐ نے چشم پوشی فرمائی اور اس فعل شنیع کو گوارا کر لیا۔ سبحان اللہ! راوی نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا کتنا بلند نقشہ کھینچا ہے!

(ب) بعض صحابہؓ نافرمان بھی تھے' یعنی رسول اللہ ﷺ مؤمنوں اور منافقوں میں ساری عمر امتیاز نہ کر سکے۔

(ج) بعض صحابہؓ کی بیویاں زناکار تھیں۔

(د) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تعلیم کا صحابہؓ پر کوئی اثر مرتب نہیں تھا۔

(ھ) رومی اس قدر غیر محتاط تھے کہ بلا تحقیق لغو اور بے سروپا روایات اپنی مجلسوں میں بیان کرتے رہتے تھے، کیونکہ نہ تو انہوں نے یہ بتایا کہ اس خرافات کا واضع کون ہے اور نہ یہ بتایا کہ وہ غزوہ کون سا تھا، اور نہ یہ بتایا کہ یہ روایت انہوں نے حدیث یا سیرت یا مغازی کی کون سی کتاب میں پڑھی تھی۔

غور کیا کہ اس خبیث سبائی نے ایک تیر سے کتنے شکار کیے! طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہ روایت جو ہفوات کا بدترین نمونہ ہے، صدیوں سے کتاب میں نقل ہوتی چلی آ رہی ہے۔ کسی مسلمان کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اسے جعلی قرار دے کر کتاب سے خارج کر دیتا۔

دراصل یہ نتیجہ ہے شخصیت پرستی اور تقلید کورکا۔ جو کتاب بھی یا جو شعر بھی کسی ولی اللہ یا امام سے منسوب ہو جائے، کسی مسلمان میں اس پر تنقید کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ تصوف یا فقہ کا یہی وہ پہلو ہے جس کی وجہ سے رفتہ رفتہ مسلمانوں میں ذوقِ تحقیق ہی ختم ہو گیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی علمی ترقی رک گئی۔ وہ آج بھی اسی مقام پر ہیں جہاں نویں صدی میں تھے ع

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے!

۵) شیخ محی الدین ابن عربیؒ پر ظلم

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ جیسا کہ ''فتوحاتِ مکیہ'' کے مطالعے سے معلوم ہو سکتا ہے، نہایت راسخ العقیدہ اور متبع شریعت بزرگ تھے۔ فتوحاتِ مکیہ کے پہلے باب میں انہوں نے تین وصل قائم کیے ہیں اور پہلے وصل میں اپنا عقیدہ بیان کیا ہے۔ اسے غور سے پڑھا جائے تو یہ معلوم ہو گا کہ عقائد نسفی کی شرح پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے سرمو اشاعرہ کے مسلک سے

انحراف نہیں کیا ہے۔ چونکہ اس تاریخ میں ان کا مفصل تذکرہ لکھوں گا اس لیے اس جگہ صرف اس بات پر اکتفا کرتا ہوں کہ ان کی تصانیف میں بھی سبائیہ اور قرامطہ نے تدسیس کی ہے۔ چنانچہ امام شعرانی اپنی تصنیف ''الیواقیت والجواہر''، صفحہ ۷ (مطبوعہ مصر ۱۳۵۱ھ) پر لکھتے ہیں:

''حضرت شیخؒ کتاب اور سنت کے پابند تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ایک لحظہ کے لیے بھی

میزانِ شرع کو اپنے ہاتھ سے پھینک دے گا وہ یقینا ہلاک ہو جائے گا۔ ان کی تصانیف میں جو عبارتیں ظاہر شریعت سے معارض ہیں وہ سب مدسوس ہیں (دوسروں نے داخل کر دی ہیں)۔ مجھے اس حقیقت سے سیدی ابوالطاہر المغربی نے آگاہ کیا جو اس وقت مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ انہوں نے مجھے فتوحات کا وہ نسخہ دکھایا جس کا مقابلہ انہوں نے قونیہ میں شیخ اکبر کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے سے کیا تھا۔ اس نسخے میں وہ فقرے نہیں تھے جو میرے نسخے میں تھے اور میں نے ان فقروں میں توقف (ان کی صحت میں شک) کیا تھا جب میں فتوحات کا اختصار کر رہا تھا۔''

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''ان ملاحدہ اور زنادقہ (قرامطہ و سبائیہ) نے سب سے پہلے امام احمد بن حنبلؒ اور اس کے بعد علامہ مجد الدین فیروز آبادیؒ اور امام غزالیؒ کی تصانیف خصوصاً احیاء العلوم میں تدسیس کی ہے۔''

اس کے بعد لکھتے ہیں:

''اس فرقہ باطنیہ کی جسارت کا یہ عالم ہے کہ اس فرقے کے ایک شخص نے ایک کتاب لکھ کر میری طرف منسوب کر دی اور تین سال تک یہ کتاب میری زندگی میں متداول رہی۔''

پھر لکھتے ہیں کہ:

''زنادقہ نے امام احمد بن حنبلؒ کے مرض الموت کے زمانے میں ایک کتاب جس میں اپنے باطنی عقائد بیان کیے تھے، پوشیدہ طور پر (ان کا شاگرد بن کر) ان کے سرہانے (تکیے) کے نیچے رکھ دی تھی۔ اور اگر امام مرحوم کے تلامذہ ان کے عقائد سے بخوبی واقف نہ ہوتے تو جو کچھ انہوں نے مرحوم کے تکیے کے نیچے پایا تھا، اس کی وجہ سے وہ لوگ بہت بڑے فتنے میں بتلا ہو جاتے۔''

٦) بعض دوسری مثالیں

سبائیہ اور قرامطہ نے صوفیوں کی تصانیف میں تدسیس کے علاوہ اپنی تصانیف نظم و نثر میں ان میں سے بعض کو اپنی جماعت کا فرد ظاہر کر کے اہل سنت کی نگاہوں میں ان کی دینی حیثیت کو

مشکوک اور محل نظر بنا دیا۔ بخوفِ طوالت صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔

خواجہ عبداللہ انصاری ہروی جو ''منازل السائرین'' کے مؤلف ہیں، پانچویں صدی کے مشاہیر صوفیوں میں سے ہیں۔ لیکن ایک اسماعیلی شاعر نے اپنے دیوان میں ان کی مدح کی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ادارۂ نشریات اسماعیلیہ بمبئی نے غالباً ۱۹۳۵ء میں خاکی خراسانی اسماعیلی کا دیوان شائع کیا تھا جسے پروفیسر آئی وناف (Ivanow) نے مرتب کیا ہے۔ پروفیسر مذکور اپنے مقدمے میں لکھتا ہے:

''اگرچہ اسماعیلی دعاۃ کو بہت ستایا گیا مگر ان کی دعوت کا تصوف پر بہت اثر مرتب ہوا اور تصوف

عرصہ دراز تک ان کے خیالات سے فیض یاب ہوتا رہا۔''
اس کی وجہ یہ ہے کہ اسماعیلی دعاۃ نے اپنے خیالات کی اشاعت کے لیے تصوف کو آلۂ کار بنایا' یعنی صوفیوں کے لباس میں اپنے عقائد کی اشاعت کی۔ اب میں خاکی کے دو شعر نقل کرتا ہوں ؎

طوطی ام شہ مرا بود مرأت　　شکرم از دکانِ عطار است
ژندہ پیل احمد است قبلۂ ما　　خواجہ عبد اللہ کہ ز انصار است
(۴۳)

ان دو شعروں سے تینوں صوفیوں کی مذہبی حیثیت مشکوک ہو گئی۔ اب دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو عطار' احمد ژندہ پیل اور عبداللہ انصاری یہ تینوں دراصل باطنی تھے' جنہوں نے سُنّی بن کر مسلمانوں کو گمراہ کیا یا خاکی نے ان کی حیثیت کو مشتبہ کرنے کی غرض سے اپنا ممدوح اور ژندہ پیل کو اپنا قبلہ بنا لیا۔
پروفیسر مذکور نے اپنے ایک مضمون میں' جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی شاخ بمبئی کے جرنل ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا تھا' صفحہ ۶۹ پر لکھا ہے:
''اسماعیلیہ نے اپنے شیعی تصوف کی خصوصیات کو بہرحال برقرار رکھا۔ انہوں نے ادبیاتِ تصوف کا بڑے ذوق سے مطالعہ کیا مگر اس کی شرح اپنے مخصوص عقائد کی روشنی میں لکھی۔''
یعنی باطنیہ نے سُنّی صوفیہ کی تصانیف کی شرح اپنے زاویہ نگاہ سے لکھ کر اہل سنت کو ورطۂ ضلالت میں غرق کر دیا۔
ان تصریحات سے میرا دعویٰ پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ باطنیہ' قرامطہ اور اسماعیلیہ_____

(۴۳) ترجمہ: ''میں تعریف کناں ہوں کہ میرے مرشد ایک آئینہ کی مانند تھے۔ میں سپاس گزار ہوں کہ عطار کی دکان سے نسبت رکھتا ہوں' احمد ژندہ پیل اور خواجہ عبداللہ انصاری میرے لیے قبلہ اور راہنما ہیں۔''

حضرات نے تصوف کا لبادہ اوڑھ کر اپنے عقائد مسلمانوں میں شائع کر دیے۔ چونکہ بعد میں آنے والے صوفیوں نے اسلاف پر تنقید کو سوئِ ادب سمجھا اس لیے قرامطہ کے عقائد کو من وعن صحیح تسلیم کر لیا اور رفتہ رفتہ ان (باطنیہ) کے ہم عقیدہ بن گئے۔
اس طرح غیر اسلامی عقائد چوتھی صدی ہجری سے مسلمانوں میں مقبول ہو گئے۔ چنانچہ ابونصر سراج اپنی تصنیف ''کتاب اللمع'' میں لکھتے ہیں:

''بغداد کے بعض صوفیہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب سالک کی ذاتی صفات فنا ہو جاتی ہیں تو وہ صفاتِ ایزدی میں داخل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ اس سے حلول کا دروازہ کھل جاتا ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے۔''

شمس الدین افلاکی نے جو چلپی عارف کے مرید اور رومی کے ہم نشین تھے' ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ''مناقب العارفین'' ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ احمدی پریس' رام پور (یوپی) سے ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کتاب سے دو قصے نقل کرتا ہوں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے طلسم ہوش ربا سے بھی بڑھ کر ہیں۔ پڑھیے اور دشمنانِ اسلام کی چیرہ دستی کا ماتم کیجیے!

صفحہ ۲۴۱ پر لکھتا ہے:

''ایک دن کرا خاتون زوجہ مولانا رومی کے دل میں خیال آیا کہ مولانا ایک عرصے سے میری جانب ملتفت نہیں ہیں' خدا معلوم شہوانی جذبات باقی ہیں یا بالکل فنا ہو گئے ہیں' (مولانا کو بذریعہ کشف ان کا یہ خیال معلوم ہو گیا) رات کو مولانا ان کے پاس گئے۔ جذباتِ شہوانی کا یہ عالم تھا کہ کرا خاتون پریشان ہو کر استغفار پڑھنے لگیں۔ مولانا نے ستر بار جماع کیا' پھر فرمایا ''مردانِ خدا ہر شے پر قادر ہیں۔ ترک یا قلت مباشرت کا باعث استغراق ہے۔''

اس کے بعد جو روایت درج ہے اسے پڑھنے سے پہلے کلیجے کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیجیے' مبادا شق ہو جائے۔

''پھر فرمایا کہ آنحضرت ﷺ اور ان کی ایک زوجہ میں بھی یہی معاملہ ہوا تھا۔ ایک دن انہوں نے ایک چڑے کو چڑیا کے ساتھ جفت ہوتے دیکھ کر بطور مطائبہ آپ ؐ سے کچھ کہا۔ چنانچہ بوقتِ شب آپ ؐ نے ان سے نوے بار مقاربت فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا: ''ہم نے خود لذاتِ دنیا کو ترک کر دیا ہے' ورنہ یہاں کچھ کمی نہیں ہے۔''

صفحہ ۲۵۹ پر یہ روایت درج ہے:

''مولانا رومی نے فرمایا کہ ایک دن آنحضرت ﷺ نے کچھ اسرار حضرت علیؓ کو خلوت میں تعلیم فرمائے اور وصیت کی کہ نامحرم سے بیان نہ کرنا۔ حضرت علیؓ نے چالیس روز تک ضبط کیا۔ اس کے بعد ان کا پیٹ حاملہ عورت کی طرح پھول گیا۔ مجبوراً صحرا میں جا کر ایک کنویں میں منہ لٹکایا اور سب اسرار بیان کر دیے۔ چند روز کے بعد اس کنویں سے نے کا ایک درخت نکلا۔ ایک چرواہے نے اس سے نے (بانسری) بنائی۔ اتفاقاً آنحضرت ﷺ نے اس نے کی آواز سنی تو اسے بلایا اور سن کر فرمایا: ''اس نے سے ان اسرار کی شرح نمایاں ہے جو ہم نے حضرت علیؓ کو تلقین کیے تھے۔''

میرا خیال ہے کہ یہ قصے محتاجِ تنقید نہیں ہیں۔ ان کی لغویت خود شاہد ہے کہ انہیں کسی دشمن اسلام نے ''مناقب

العارفین'' میں داخل کر دیا ہے۔

امام شعرانی کی تصنیف ''الطبقات الکبریٰ'' کے اردو ترجمے میں صفحہ ۴۶۸ پر یہ روایت درج ہے:

''بضمن ظاہر و باطن عارف علی ابن ابی طالب اسی طرح اٹھائے گئے ہیں جس طرح عیسیٰ' اور عیسیٰ کی طرح عنقریب نازل ہوں گے''۔ میں (استاد سید علی فرزند سید محمد وفا) کہتا ہوں کہ سید علی خواص بھی اس کے قائل تھے۔ چنانچہ میں نے ان کو کہتے سنا کہ نوحؑ نے کشتی میں سے ایک تختہ علی کے نام پر اٹھا کر رکھا (نوح کو خدا نے بتا دیا تھا) وہ تختہ محفوظ رہا۔ چنانچہ علی اسی تختے پر اٹھائے گئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔''

اس روایت کا مضمون خود بتا رہا ہے کہ یہ کسی ایسے شخص کی موضوعہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے رفع سماوی کا عقیدہ رکھتا تھا اور تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ عقیدہ سب سے پہلے عبداللہ بن سبا نے شائع کیا تھا۔

ان دشمنانِ اسلام نے صرف تصوف ہی کی کتابوں میں تدسیس نہیں کی بلکہ اہل سنت کی کتب احادیث اور کتب عقائد میں بھی اپنے مزعومات اس طرح شامل کر دیے کہ مرورِ ایام سے وہ اوہامِ باطلہ اہل سنت کے عقائد بن گئے۔ چنانچہ شرح عقائد نسفی مصنفہ علامہ سعد الدین تفتازانی سے ایک مثال ذیل میں درج کرتا ہوں۔ یہ کتاب آج بھی تمام عربی مدارس میں داخلِ نصاب ہے اور نہایت مستند تسلیم کی جاتی ہے۔

واضح ہو کہ اہل سنت کے امام فی العقائد ابو حفص نجم الدین النسفی الماتریدی (متوفی ۵۳۷ھ) نے علم عقائد میں ایک متن لکھا تھا جس کا نام ہے ''عقائد النسفی'' علامہ تفتازانی

(متوفی ۷۹۱ھ) نے اس کی شرح لکھی ہے جس کا نام ہے شرح عقائد نسفی' جو تمام دینی مدارس میں داخل نصاب ہے۔ امام نسفیؒ نے اس متن میں لکھا ہے:

''صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہمیشہ صرف کلماتِ خیر ہی سے یاد کرنا چاہیے۔''

علامہ اس کی شرح کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''بہرکیف یزید بن معاویہؓ کے بارے میں علماء نے آپس میں اختلاف کیا ہے (کہ ان پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں)۔ چنانچہ الخلاصہ (۴۴) میں اور دوسری کتابوں میں بالصراحت مرقوم ہے کہ یزید یا حجاج پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو ان لوگوں پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے جو نماز پڑھتے ہوں اور جن کا شمار اہل قبلہ میں سے ہو۔ بعضوں نے اس وجہ سے یزید پر لعنت کو جائز سمجھا ہے کہ جب اُس نے الحسینؓ کے قتل کا حکم دیا تو وہ کافر ہو گیا۔ ان لوگوں نے ان پر بھی لعنت کرنے کو جائز قرار دیا جنہوں نے الحسینؓ کو قتل کیا' یا اس کا حکم دیا یا اس کی اجازت دی یا اس پر اپنی رضا کا اظہار کیا۔''

اختلاف کا تذکرہ کرنے کے بعد شارح اپنی رائے ان الفاظ میں لکھتا ہے:

''حقیقت یہ ہے کہ یزید کا قتل الحسینؓ پر رضامندی کا اظہار اور قتل پر اپنی خوشی کا اظہار اور نبی ﷺ کے خاندان کی توہین' یہ ایسی باتیں ہیں جو تواتر سے ثابت ہیں ' اس لیے ہم اس پر لعنت کے بارے میں بالکل تامل نہیں کرتے' بلکہ ہم کو اس کے عقائد کے بارے میں بھی فیصلہ کرنے میں کوئی توقف نہیں ہے (یعنی ہم اسے کافر یقین کرتے ہیں) اس لیے اس پر اور اس کے اَعوان و انصار سب پر خدا کی لعنت ہو۔''

میری رائے میں یہ فقرہ جو ''حقیقت یہ ہے'' سے شروع ہو کر ''لعنت ہو'' پر ختم ہوتا ہے' علامہ موصوف کا تحریر کردہ نہیں ہے' بلکہ کسی سبائی نے اپنی طرف سے شامل کر دیا ہے۔ قرینہ اس پر یہ ہے کہ لعنت کے جواز پر جو تین وجوہ بیان کی گئی ہیں وہ تینوں غلط اور جھوٹی ہیں' کیونکہ تاریخی طور پر ثابت نہیں ہو سکتیں۔ میں اپنے دعوے کے ثبوت میں تاریخ ابن الاثیر (المتوفی ۶۳۰ھ)' جلد سوم' مطبوعہ ۱۳۵۶ھ' صفحہ ۲۹۹ '۳۰۰ سے ضروری تصریحات پیش کرتا ہوں:

(ا) یزید نے (حسینؓ کے سر کو دیکھ کر) کہا: ''خدا کی قسم ! اگر میں (کربلا میں) تیرے ساتھ ہوتا تو میں تجھے قتل نہ کرتا۔''

---

(۴۴) اس سے غالباً کتاب خلاصۃ الاحکام مصنفہ امام نووی مراد ہے۔

(ب) کوئی عورت آلِ یزید میں سے ایسی باقی نہ رہی جس نے (اس واقعہ پر) ماتم نہ کیا ہو۔

(ج) یزید نے حکم دیا کہ علی بن حسینؓ اور اس کے خاندان کی عورتوں کو علیحدہ مکان میں ٹھہرایا جائے' اور یزید نہ صبح کا کھانا کھاتا تھا نہ رات کا جب تک علی بن حسینؓ کو اپنے ساتھ شریک طعام نہ کر لیتا تھا۔

(د) یزید نے کہا میں تو حسینؓ کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا اور جو وہ چاہتا اسی کا حکم دیتا ' خواہ اس سے میری سلطانی کو ضعف ہی کیوں نہ پہنچتا اور میں یہ طرزِ عمل اس قرابت کی بناپر کرتا جو اسے رسول اللہ ﷺ سے حاصل تھی۔

(ھ) اللہ لعنت کرے ابن مرجانہ پر اور اپنا غضب نازل کرے اس پر۔

(و) اور جب یزید نے ارادہ کیا کہ ان کو مدینہ بھیجے تو نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ ضروری سامانِ سفر مہیا کیا جائے اور ایک امین آدمی اہل شام میں سے مع فوج ان کے ساتھ کرے۔

(ز) بوقت رخصت یزید نے علی کو بلایا اور کہا ''اللہ لعنت کرے ابن مرجانہ پر ! قسم خدا کی ! اگر میں اس کے ساتھ ہوتا جو وہ طلب کرتا اسے دیتا اور اس سے اس کی مصیبت کو دور کرتا' خواہ اس میں میرا کوئی بیٹا ہی کیوں نہ کام آجاتا۔ لیکن اللہ کا فیصلہ یہی تھا جو تو نے دیکھا۔ اے بیٹے ! جب تجھے کوئی حاجت درپیش ہو تو مجھے لکھنا۔

(ح) جب قافلہ مدینہ پہنچا تو فاطمہ بنت علی نے اپنی بہن زینب سے کہا: ''اس شخص نے (جو قافلے کا انچارج تھا)

ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے۔ کیا تیرے پاس کچھ ہے جو اسے دیا جائے؟'' زینب نے کہا : ''ہمارے پاس زیورات کے سوا اور کیا ہے؟''پس دونوں نے اپنے سوارین اور دملجین اتارے اور اس کے پاس بھیجے' لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ''میں نے یہ حسن سلوک رسول اللہ ﷺ سے تمہاری قرابت کی بنا پر کیا ہے۔''

میں نے احتیاطاً ابن اثیر کی عربی عبارت کا ٹھیٹھ لفظی ترجمہ کر دیا ہے۔ اب قارئین خود فیصلہ کر لیں کہ ان تصریحات سے وجوہِ لعن و تکفیر میں سے کوئی ایک وجہ بھی ثابت نہیں ہوتی۔ ابن اثیر کے علاوہ کسی مستند تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ امیر یزید نے قتل حسینؓ کا حکم دیا تھا' یا قتل کی اطلاع پر چراغاں کیا تھا' یا جشنِ مسرت منعقد کیا تھا یا خواتین کی بے حرمتی کی تھی۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ آخری فقرہ علامہ تفتازانی کے قلم سے نکلا ہے تو وہ دوسرے لفظوں میں علامہ کو تاریخ اسلام سے ناواقف ثابت کر رہا ہے۔ علامہ تفتازانی نے ۷۹۱ھ میں

وفات پائی۔ اس لیے انہوں نے تاریخ طبری' مصنفہ طبری (المتوفیٰ ۳۱۰ھ) اور تاریخ الکامل' مصنفہ ابن اثیر (متوفی ۶۳۰ھ) اور البدایہ والنہایہ' مصنفہ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) ضرور پڑھی ہوں گی۔ اب عقلاً صرف دو صورتیں ممکن ہیں:

(۱) یا تو علامہ تفتازانی کو ایک جاہل شخص تسلیم کر لیا جائے۔

(۲) یا پھر اس عبارت کو ان سے منسوب کرنے کی بجائے کسی جاہل سبائی کی تدسیس قرار دیا جائے۔

اس کے علاوہ اس عبارت کے الحاقی ہونے پر ایک داخلی شہادت بھی پیش کرتا ہوں۔

شرح عقائد نسفی کا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے وہ ۱۳۲۹ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس نسخے میں ہر جگہ حضرت حسینؓ کے نام کے آگے ؓ لکھا ہوا ہے' جیسا کہ اہل سنت کا مسلمہ دستور ہے۔ مگر اس عبارت میں لفظ حسین کے اوپر ؓ بنا ہوا ہے ۔ قدرتی طور پر سوال پیدا ہو گا کہ جب چار سطور پہلے ؓ بنا ہوا ہے تو یہاں اس فقرے میں ؓ کیوں بنا ہوا ہے؟ اس کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ یہ فقرہ کسی ایسے شخص نے اپنی طرف سے داخل کتاب کیا ہے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو انبیاء کا ہم پلہ یقین کرتا ہے' یعنی طائفہ سبائیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ آئندہ کاتبوں نے نقل مطابق اصل کے قاعدے کی پابندی کی' حتیٰ کہ یہ شاہد تدسیس ہمارے زمانے کی مطبوعہ کتابوں میں بھی بجنسہ موجود ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ مجھے کسی ایسے شخص نے لکھا ہے جو شارحِ کتاب علامہ تفتازانی کا ہم خیال اور ہم عقیدہ نہیں تھا۔

اب ایک مثال سیرۃ النبی ﷺ سے درج کرتا ہوں۔

سیرت النبیؐ کی کتابوں میں ابن اسحٰق کی سیرت غالباً قدیم ترین ہے۔ یہ شخص مدینہ میں ۸۵ھ میں پیدا

ہوا تھا اور بغداد میں ۱۵۱ھ میں فوت ہوا۔ عقائد کے لحاظ سے شیعہ تھا۔ اس کی تصنیف موسومہ سیرۃ الرسول ﷺ کو ابن ہشام نے ایڈٹ (مرتب) کیا جو بصرہ میں پیدا ہوا تھا اور ۲۱۸ھ میں فسطاط (مصر) میں فوت ہوا۔ ابن اسحٰق کی سیرت آج کل سیرت ابن ہشام کے نام سے معروف ہے۔ ابن اسحٰق غزوۂ خیبر کے سلسلے میں لکھتا ہے:

(ا) ''عبداللہ بن سہیل نے مجھ سے کہا کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے سنا کہ مرحب یہودی مسلح ہو کر قلعے سے یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا: ''خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں ...الخ'' رجز پڑھنے کے بعد اس نے سب مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی۔ اس کے جواب میں کعب بن مالک نے یہ رجز پڑھا: ''خیبر جانتا ہے کہ میں کعب ہوں... الخ''۔

(ب) رجز خوانی کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اس شخص کا مقابلہ کون کرے گا؟''

محمد بن مسلمہؓ نے جواب دیا: ''مرحب کا مقابلہ میں کروں گا' کیونکہ اس شخص سے انتقام لینا مجھ پر واجب ہے جس نے کل میرے حقیقی بھائی کو قتل کیا تھا''۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے انہیں مرحب کے مقابلے پر جانے کی اجازت دی اور ان کی فتح یابی کے لیے دعا کی۔ جب مرحب اور ابن مسلمہؓ ایک دوسرے کی طرف بڑھے تو ایک درخت درمیان میں حائل ہو گیا' انہوں نے اس کی شاخیں کاٹنی شروع کیں یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے' پہلے مرحب نے وار کیا جسے ابن مسلمہؓ نے ڈھال پر روکا' اس کے فوراً بعد انہوں نے وار کیا اور مرحب کو قتل کر دیا۔''

(ج) ہشام بن عروہ نے بیان کیا کہ جب مرحب کے قتل ہو جانے کے بعد اس کے بھائی یاسر نے دعوتِ مبارزت دی تو حضرت زبیر بن العوامؓ مقابلے پر نکلے۔ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا: ''کیا دشمن میرے بیٹے کو قتل کر دے گا؟'' آپ ﷺ نے جواب دیا: ''نہیں' بلکہ تمہارا بیٹا ان شاء اللہ اپنے دشمن کو قتل کردے گا''۔ حضرت زبیرؓ یہ رجز پڑھتے ہوئے نکلے: ''خیبر جانتا ہے کہ میں زّبار ہوں اور ان لوگوں کا سردار ہوں جو غیر فرار ہیں... الخ چنانچہ زبیرؓ نے یاسر کو قتل کر دیا۔

(د) بریدہ بن سفیان بن فروہ نے مجھ (ابن اسحٰق) سے کہا کہ میرے باپ نے الاکوع سے سنا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو خیبر کے قلعوں میں سے ایک قلعہ فتح کرنے کو بھیجا لیکن وہ قلعہ فتح کیے بغیر واپس آ گئے۔ دوسرے دن آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بھیجا لیکن وہی ہوا جو ان سے پہلے ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''کل جھنڈا اس کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ اس کے ذریعے سے فتح عطا کرے گا' وہ بھاگنے والا نہیں ہے''۔ چنانچہ دوسرے دن آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلایا جو آشوبِ چشم میں مبتلا تھے۔

آنحضرت ﷺ نے اپنا لعابِ دہن لگا دیا (آنکھیں اچھی ہو گئیں) اور جھنڈا دے کر فرمایا: ''اسے لے کر جائو یہاں تک کہ اللہ تمہارے ذریعے سے فتح عنایت کرے''۔ چنانچہ علیؓ بعجلت تمام قلعے کے نزدیک پہنچے اور پتھروں کے ڈھیر میں جھنڈا گاڑ دیا۔ قلعے کی چوٹی سے ایک یہودی نے انہیں دیکھ کر نام پوچھا۔ جب انہوں نے اپنا نام بتایا تو اس نے کچھ اس قسم کے الفاظ کہے کہ موسیٰ کی وحی کے مطابق تم کامیاب ہو گے' یا وہ الفاظ کہے جن کا مطلب یہ تھا۔ حضرت علیؓ واپس نہیں آئے جب تک اللہ نے انہیں فتح عطا نہیں کر دی۔''

(ھ) عبداللہ بن الحسن نے مجھ (ابن اسحق) سے کہا کہ میرے خاندان کے ایک شخص نے

مجھ سے کہا کہ میں نے ابورافع (آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام) سے سنا کہ ''جب آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنا جھنڈا دے کر بھیجا اور وہ قلعے کے نزدیک پہنچے تو اس کے محافظ باہر نکلے اور حضرت علیؓ نے ان سے جنگ لی۔ ایک یہودی نے ان پر حملہ کیا جس سے ان کی ڈھال ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی' اس لیے حضرت علیؓ نے جلدی سے دوڑ کر ایک در (کواڑ) اٹھا لیا جو قلعے کے پاس پڑا تھا اور اس سے ڈھال کا کام لیا۔ جب فتح حاصل ہو گئی تو اسے پھینک دیا۔ میں نے اس دروازہ (کواڑ) کو سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اٹھانے کی کوشش کی مگر ہم اسے نہ اٹھا سکے۔'' (مقتبس از انگریزی ترجمہ 'سیرۃ ابن اسحاق' موسومہ سیرت رسول اللہ ﷺ، صفحات ۵۱۲ تا ۵۱۴' مطبوعہ لندن ۱۹۵۵ئ)

یہ اقتباسات ابن اسحاق یعنی ایک شیعہ مصنف کی کتاب سے پیش کیے گئے ہیں جو اس قدر راسخ العقیدہ تھا کہ اس نے اپنی اس تصنیف میں حضرت ابان بن حضرت عثمانؓ بن عفان کی ''کتاب المغازی'' سے جو اس موضوع پر اوّلین تصنیف ہے 'کوئی روایت قبول نہیں کی ہے اور نہ ان کا تذکرہ کیا ہے' محض اس لیے کہ حضرت ابان دامادِ رسول ﷺ 'خلیفہ ٔراشد' امام مظلوم حضرت عثمان شہید فی سبیل اللہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے (اللہ اکبر! کس قدر احتیاط ملحوظ رکھی)۔ بہرحال ان اقتباسات سے حسب ذیل حقائق اظہر من الشمس ہیں:

(۱) مرحب کو حضرت علیؓ نے قتل نہیں کیا بلکہ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا۔

(۲) حضرت علیؓ نے خیبر کے قلعوں میں سے ایک قلعہ فتح کیا تھا۔

(۳) عبداللہ بن الحسن والی روایت جس کی رو سے حضرت علیؓ نے کواڑ سے ڈھال کا کام لیا' نہ اصولِ روایت کے اعتبار سے قابل اعتبار ہے اور نہ اصولِ درایت کے لحاظ سے لائق قبول ہے۔ اصولِ روایت کی رو سے اس لیے نہیں کہ عبداللہ بن الحسنؒ نے یہ نہیں بتایا کہ یہ داستان میں نے کس سے سنی! تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس روایت کے راویوں میں سے کوئی راوی مجہول الاسم ہو' یعنی اس کا نام معلوم نہ ہو تو وہ روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اور اصولِ درایت کی رو سے اس لیے نہیں کہ جب حضرت علیؓ کے ہاتھ سے ڈھال گر پڑی تو عقل یہ کہتی ہے کہ انہیں دوڑ کر اپنی ڈھال اٹھا لینی چاہیے تھی نہ یہ کہ وہ ڈھال کو چھوڑ کر اس کواڑ کو اٹھانے جاتے جو قلعے

کے پاس پڑا ہوا تھا۔ یہ بات اس وقت قابل قبول ہوتی جب راوی یہ واضح کر دیتا کہ ڈھال بہت دور مثلاً پچاس قدم پر تھی اور دروازہ یا کواڑ بہت نزدیک تھا۔ علاوہ

بریں دنیا میں آج تک کوئی دروازہ یا کواڑ ایسا نہیں بنایا گیا جو ڈھال کا کام دے سکے۔ ڈھال اور دروازے میں دور کی مناسبت بھی نہیں ہے۔

(۴) مرحب سے حضرت علیؓ کی جنگ کا افسانہ دوسری صدی میں یعنی ابن اسحق کی زندگی میں وضع نہیں کیا گیا' ورنہ ابن اسحق جس نے دروازے کا افسانہ درج کر دیا' اس افسانے کو یقینا زینت کتاب بناتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مرحب سے حضرت علیؓ کی جنگ کا افسانہ تیسری صدی میں وضع کیا گیا اور جس طرح بہت سی غلط روایات سبائیوں کی تدسیس سے اہل سنت کی کتابوں میں راہ پا گئیں یہ افسانہ بھی ان کی کتابوں میں جگہ پا گیا۔ فی الجملہ سیرۃ کی قدیم ترین کتاب کی رو سے بالکل واضح ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا' لیکن افسانہ طرازوں نے مرحب اور حضرت علیؓ کے مابین فرضی قتال کو جس رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا ہے اس کی تفصیل کے لیے میں البدایہ والنہایہ' مؤلفہ امام ابن کثیر دمشقی (المتوفی ۷۷۴ھ) سے ضروری اقتباسات ذیل میں درج کرتا ہوں:

(۱) حافظ البزار نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ یومِ خیبر میں پہلے ابوبکرؓ اور پھر عمرؓ کے بھیجنے اور اس کے بعد علیؓ کے ہاتھ پر فتح ہونے کا جو قصہ ہے اس کے سیاق میں غرابت اور نکارت ہے اور اس کی اسناد میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو متہم بالتشیع ہے۔

(۲) روایت کی موسیٰ بن عقبہ نے زہری سے کہ تحقیق جس نے قتل کیا مرحب کو وہ محمد بن مسلمہؓ تھے۔ اور یہی کہا ہے محمد بن اسحق نے بروایت جابر بن عبداللہ کہ نکلا مرحب الیہودی' خیبر کے قلعے سے یہ رجز پڑھتا ہوا ''قد علمت خیبر انی مرحب'' تو آنحضرت ﷺ نے کہا: ''اس کا مقابلہ کون کرے گا؟'' محمد بن مسلمہ نے کہا ''میں کروں گا''۔ فضربہ محمد بن مسلمہ حتی قتلہ پس تلوار ماری اس کو ابن مسلمہؓ نے یہاں تک کہ قتل کر دیا اس کو (یعنی مرحب کو)۔ (صفحہ ۱۸۹' ج ۴)

(۳) کہا یونس نے ابن اسحاق سے کہ روایت ہے کہ مجھ سے کہا میرے خاندان کے ایک شخص نے کہ اس نے سنا تھا رافع مولیٰ رسول اللہ ﷺ سے کہ ہم نکلے علیؓ کے ساتھ جب بھیجا ان کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا جھنڈا دے کر۔ جب ہم قلعے کے پاس پہنچے تو اہل قلعہ مقابلہ کے لیے نکلے۔ ایک یہودی کی ضرب سے علیؓ کی ڈھال ان کے ہاتھ سے گر پڑی تو قلعے کے دروازے کو ڈھال بنا یا یہاں تک کہ قلعہ فتح ہو گیا... میرے ساتھ سات

آدمی اور تھے ' میں آٹھواں تھا ' مگر ہم سے دروازہ پلٹا نہ جا سکا ''۔

اس افسانے پر ابن کثیر نے یہ تنقید کی ہے: وفی ھذا الخبر جھالۃ وانقطاع ظاھر یعنی اس روایت میں جہالت بھی ہے اور انقطاع ظاہر بھی ہے (یعنی بیچ کا راوی غائب ہے)۔ پھر لکھتے ہیں:

(۴) حاکم اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ اس دروازے کو چالیس آدمی بھی مل کر نہ اٹھا سکے ۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ روایت بھی ضعیف (ناقابل اعتبار) ہے۔

(۵) جابر سے روایت ہے کہ ستر آدمیوں نے اٹھانے کی کوشش کی تھی(۴۵)۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ روایت بھی ضعیف (ناقابل اعتماد) ہے۔ (ج ۴' ص ۱۹۰)

(٦) الواقدی نے بھی جابر سے یہی روایت کی ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا۔ (ج ۴' ص ۱۸۹)

(اختصار بقدر ضرورت البدایہ والنہایہ' ابن کثیر' جلد چہارم' صفحات ۱۸۷ تا ۱۹۰' مطبوعہ مصر ۱۹۳۲ئ)

بخوفِ طوالت میں ان موضوع روایتوں کو نقل نہیں کر سکتا جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرحب کو حضرت علیؓ نے قتل کیا تھا۔ میرا مقصد صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا نہ کہ حضرت علیؓ نے۔ الحمد للہ کہ میں نے اس بات کو بخوبی یعنی ابن اسحق کی گواہی سے ثابت کر دیا جو شیعہ تھا۔ لہٰذا وہ تمام افسانے جو مرحب اور حضرت علیؓ کی اس فرضی جنگ کے سلسلے میں تصنیف کیے گئے ہیں خود بخود باطل اور بے اصل و بے بنیاد قرار پاتے ہیں۔ یہ روایتیں جیسا کہ محدثین اور محققین مثلاً علامہ سخاوی نے لکھا ہے' سراسر لغو ہیں۔ (سیرۃ النبی' شبلی نعمانی' جلد اوّل' ص ۴۸۸)

چونکہ میں تصوف کی تاریخ لکھ رہا ہونہ کہ تدسیس سبائیہ و باطنیہ کی تاریخ' اس لیے انہی چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس کے بعد اہل سنت صوفیوں کی تصانیف سے ایسے اقوال پیش کروں گا جو اہل سنت کے معتقدات کے خلاف ہیں' لیکن ان صوفیوں نے سبائیت اور باطنیت سے متاثر ہو کر ان کو قبول کر لیا' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خود بھی گمراہ ہو گئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔

ان صوفیوں کی کمزوری یہ تھی کہ یہ لوگ نہ محدث تھے نہ مؤرخ تھے۔ اس پر مستزاد یہ امر

---

(۴۵) خدا کا شکر ہے کہ ستر کے مبارک عدد پر حاملین باب خیبر کی تعداد کا اختتام ہو گیا۔ واضح ہو کہ سات ' چالیس اور ستر کا شدید اختلاف کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔

ہوا کہ ان لوگوں کے نزدیک تحقیق و تدقیق و تنقید' یہ سب باتیں سوئِ ادب میں داخل ہو گئی تھیں۔ جنیدؒ کا تصوف یہ تھا کہ ''ہم ہر بات کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر آزما کر دیکھیں گے' اگر کوئی بات کتاب و سنت کے خلاف ہو گی فھو مردود'' خواہ وہ کسی کی زبان سے نکلی ہو۔ لیکن نویں صدی ہجری میں باطنیہ کی مساعی قبیحہ سے سنی صوفیوں کی ذہنیت یہ ہو گئی تھی کہ وہ قول کے حسن و قبح کے بجائے قائل کو دیکھنے لگے تھے۔ مثلاً ایک روایت خواہ کتنی ہی خلافِ عقل و نقل کیونہ ہو' اگر وہ کسی بزرگ سے منسوب ہے تو محض اس سے نسبت کی وجہ سے قابل اعتماد قرار پا جائے گی اور اس میں تحقیق یا اس پر تنقید کو سوئِ ادب سمجھا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کی کتابوں میں صدیوں سے غلط روایات نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں اور آج کسی میں یہ اخلاقی ہمت نہیں ہے کہ انہیں غلط کہہ کر اپنی مرجعیت اور مقبولیت سے دست بردار ہو جائے۔

باطنیت

گمراہی کے دروازوں میں سب سے زیادہ خطرناک اور مضرت رساں دروازہ جو باطنیہ نے کھولا وہ یہ تھا کہ ہر لفظ کے ایک ظاہری معنی ہوتے ہیں اور ایک حقیقی یا باطنی۔ انہوں نے الفاظ کے اس باطنی پہلو پر اس قدر زور دیا کہ ان کا اصلی نام اسماعیلیہ غیر معروف ہو گیا اور وہ باطنیہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ بہرکیف انہوں نے کہا کہ اسی طرح قرآن و حدیث کے الفاظ کے بھی دو معنی ہیں' ایک ظاہری دوسرے باطنی' اور ان کو آپس میں وہی نسبت ہے جو پوست (ظاہر) کو مغز سے ہے' جہلاء صرف ظواہر (ظاہری معنی) سے آگاہ ہیں' حقائق یا باطنی معانی کو صرف اہل ِاسرار جانتے ہیں۔ جو شخص ظواہر میں گرفتار ہے وہ شریعت کی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے اور دین کی نہایت نیچی سطح پر ہے' اور جو شخص اہل باطن کی صحبت میں رہ کر حقائق سے آشنا ہوجاتا ہے وہ شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کی اس آیت کا یہی مفہوم ہے {وَ یَضَعُ عَنۡہُمۡ اِصۡرَہُمۡ وَ الۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡہِمۡ} (الاعراف:۱۵۷) یعنی ''رسول اس بوجھ سے نجات دلاتا ہے جس کے تلے وہ (عوام) دبے ہوئے تھے اور وہ طوق اتارتا ہے جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے تھے۔''

باطنیہ نے اپنی اس بنیادی تعلیم کو عوام کے سامنے صوفی بن کر پیش کیا۔ رفتہ رفتہ جاہل صوفیوں نے پہلے ظاہر اور باطن کی تفریق کا اصول اختیار کیا' پھر اس کے منطقی نتیجے کو بھی قبول کرلیا۔ یعنی انہوں نے شریعت اور طریقت میں تفریق کر دی اور کہنے لگے کہ شریعت کا حکم کچھ اور ہے اور طریقت کا حکم کچھ اور ہے۔ آخر کار انہوں نے باطنیہ کی اس تعلیم کو بھی تسلیم کر لیا کہ جب سالک کو معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ قید شریعت

سے آزاد ہو جاتا ہے' اور اپنے اس باطل عقیدے پر اس آیت سے استدلال کیا {وَ اعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ ﴿ ۹۹٪ ﴾} (الحجر) اور اس کا ترجمہ اس طرح کیا: ''صرف اُس وقت تک اپنے ربّ کی عبادت کر جب

تک تجھے یقین حاصل نہ ہو''۔ گویا جب معرفت یا یقین حاصل ہو جائے تو اتباع شریعت کی حاجت نہیں ہے۔

باطنیہ نے اس طرح لاکھوں مسلمانوں کو گمراہ کر دیا۔ عوام کے پاس کوئی آلہ یا معیار نہ اُس وقت تک تھا' نہ اب ہے' نہ آئندہ کبھی ہو گا' جس کی مدد سے وہ یہ معلوم کر سکتے کہ یہ شخص جو ظاہر میں صوفیوں کا لباس پہنے ہوئے بیٹھا تصوف کے ''اَسرار و رموز'' بیان کر رہا ہے' باطن میں کیا ہے! اگر کسی عامی نے اعتراض بھی کیا کہ یہ قول قرآن یا حدیث کے خلاف ہے تو معتقدین نے اسے گستاخ قرار دے کر مجلس سے باہر نکال دیا۔ قصہ ختم شد۔

میں نے یہ صراحت اس لیے کی کہ آج بیسویں صدیں بھی سُنی عوام کے دلوں میں جو یہ تفریق جاگزین ہے اور وہ اپنے ''بزرگوں'' کی خلافِ شرع باتوں پر اعتراض نہیں کرتے بلکہ ان کو ازقبیل رموز و اَسرارِ طریقت سمجھتے ہیں' یہ تفریق عبداللہ بن سبا کے متبعین کی پیدا کردہ ہے اور بیس سال کے مطالعہ کے بعد میرا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ سبائیت اور اس کی نکھری ہوئی صورت یعنی باطنیت دراصل نبوت و رسالت ِ محمدیؐ کے خلاف ایک بغاوت یا باغیانہ تحریک تھی' یعنی ولایت کے پردے میں نبوت کی تحقیر و تذلیل۔ ثبوت ملاحظہ ہو:

اقتباس از ولایت نامہ ' تالیف سلطان العارفین و برہان الواصلین مولا الشہید الحاج ملا سلطان محمد گا بادی' سلطان علی شاہ' چاپ دوم' چاپخانہ ٔ دانش گاہ تہران۱۳۸۵ قمری' صفحہ ۳۵:

''قبولِ رسالت بیعت کردن است بر قبولِ احکامِ ظاہری و قبولِ ولایت بیعت کردن است بر قبولِ احکامِ باطنی۔ اوّل را اسلام و ثانی را ایمان می گویند و چوں قبولِ رسالت بجہت وصول بسوئے ولایت است کہ فرمود {وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰکُمْ لِلْاِیْمَانِ} (۴۹:۱۷) وفرمود {اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ} (۵:۶۷) یعنی رسالتِ تو مقدمۂ ولایتِ علی علیہ السلام است' اگر تبلیغ ولایت نہ کردی و بیعت بولایتِ علی نگرفتی ہیچ تبلیغ رسالت نہ کردہ کہ مقدمہ بدونِ ذی مقدمہ وجودش با عدم مساوی است وبملاحظۂ حیثیت رسالت و ولایت نسبت بحدیث دادہ شد کہ لَوْ لَا عَلِیٌّ لَمَا خَلَقْتُکَ (انتہیٰ بلفظہ)

میں نے یہ زحمت ِ نقل اس لیے گوارا کی ہے کہ اگر میں اس عبارت کا اردو ترجمہ درج کر دیتا تو بعض قارئین ضرور دل میں کہتے کہ مصنف نے یہ باتیں نہ لکھی ہوں گی' مترجم سے

ترجمہ کرنے میں غلطی ہو گئی یا مفہوم تک اس کی رسائی نہ ہو سکی۔ لیکن ان لوگوں کی خاطر جو عربی و فارسی نہیں جانتے' اس کا مطلب ذیل میں درج کیے دیتا ہوں:

(۱) مصنف کی نقل کردہ پہلی آیت قرآن مجید میں یوں ہے: {بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیۡکُمۡ اَنۡ ہَدٰىکُمۡ لِلۡاِیۡمَانِ} (الحجرات:۱۷) یعنی ''بلکہ اللہ احسان رکھتا ہے اوپر تمہارے یہ کہ ہدایت کی تم کو طرف ایمان کے۔''

(۲) قبولِ رسالت کا معنی ہے بیعت کرنا احکامِ ظاہری کے قبول کرنے پر۔

(۳) قبولِ ولایت کا معنی ہے بیعت کرنا احکام باطنی کے قبول کرنے پر (یعنی رسالت کا تعلق احکامِ ظاہری سے ہے اور ولایت کا تعلق احکامِ باطنی سے ہے)۔ یہی تعلیم باطنیہ نے دی تھی' یعنی احکامِ ظاہری اور باطنی کی تفریق' جس سے شریعت اور طریقت میں تفریق پیدا ہو گئی اور اُمت میں تفرقہ رونما ہو گیا۔

(۴) رسالت ِ محمدی کو قبول کرنا اسلام ہے' ولایت ِ علی کو قبول کرنا ایمان ہے۔

(۵) اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تو نے ایسا نہ کیا پس نہ پہنچایا تو نے پیغام اس (اللہ) کا (المائدۃ:٦٧)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تیری رسالت مقدمہ ہے ولایت علی علیہ السلام کا۔ اگر تو نے ولایت کی تبلیغ نہیں کی اور ولایت کی بیعت نہیں لی تو رسالت کی تبلیغ بالکل نہیں کی' کیونکہ مقدمہ اگر ذی المقدمہ کے بغیر ہو تو اس کا وجود اور عدم دونوں مساوی ہیں۔

(٦) رسالت اور ولایت کی حیثیت کو مدنظر رکھ کر اس حدیث سے نسبت دی گئی کہ اگر علی (پیدا) نہ ہوتا تو اے محمد! میں تجھے (بھی) پیدا نہ کرتا۔''

اس عبارت پر راقم الحروف کو یا رائے تبصرہ ہے نہ حوصلہ تنقید' صرف دو تین باتوں پر اکتفا کرتا ہے:

(ا) اس عبارت سے ثابت ہوا کہ ولایت' نبوت سے افضل ہوتی ہے' کیونکہ ایمان بہرحال افضل ہے اسلام سے۔

(ب) جب تک ایک شخص ولایت ِ علیؓ پر ایمان نہ لائے مؤمن نہیں ہو سکتا۔

(ج) رسالت ِ محمدیؐ کی بذاتِ خویش کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور نہ مقصود بالذات ہے' بلکہ وہ مقدمہ ہے ولایت ِ علی کا اور اس لیے منطقی طور پر مقصود بالعرض ہے۔

(د) رسالت ذریعہ یا واسطہ ہے حصولِ مقصد کا اور وہ مقصد ہے' ''گرفتن بیعت ِ ولایت ِ علی'' اور یہ بات محتاج ثبوت نہیں ہے کہ ذی واسطہ یا مقصد واسطے یا وسیلے سے افضل ہوتا ہے' اس لیے ولایت افضل ہے رسالت سے۔ یعنی صاحب ِ ولایت افضل ہے صاحب ِ رسالت سے۔ بالفاظِ واضح تر حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

(ھ) قرآن سے تو یہ معلوم ہے کہ بعثتِ رسول ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ وہ دِین الحق (اسلام) کو تمام ادیانِ عالم پر غالب کر دے۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ {ہُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ ؕ} ''(اللہ) وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ساتھ ہدایت اور دین حق کے' تاکہ وہ اس کو غالب کر دے سب دینوں پر۔''

لیکن سلطان العارفین فرماتے ہیں کہ اللہ نے رسول کو اس لیے بھیجا کہ وہ حضرت علیؓ کی ولایت پر لوگوں سے بیعت لے اور اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اس کا وجود اور عدم دونوں برابر ہوجائیں گے۔

یہ وہ نکتہ ہے جس میں فہم سرگردان ہے اور عقل حیران ہے۔

اگر اس جگہ یہ اعتراض کیا جائے کہ {یٰۤاَیُّہَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَہٗ ؕ} کا ترجمہ تو یہ ہو گا کہ ''اے رسول! پہنچا دیں (لوگوں کو) جو کچھ اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے 'اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو نہ پہنچایا پیغام اُس کا''۔ اب نہ تو ان دونوں جملوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی آیا ہے اور نہ سارے قرآن میں کہیں ان کا نام آیا ہے (۴۶) نہ ان آیتوں سے پہلے ان کا تذکرہ ہے اور نہ

---

(۴۶) اللہ تعالیٰ کو بخوبی معلوم تھا کہ عبداللہ بن سبا اسلام میں شخصیت پرستی کا فتنہ پیدا کرے گا' اس لیے اس نے قرآن میں صرف ان دو آدمیوں کا ذکر ان کا نام لے کر کیا (ابولہب اور زیدؓ) جن کے بارے میں اسے علم تھا کہ سبائی ان ناموں کو استعمال نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس باب میں اس قدر احتیاط ملحوظ فرمائی کہ ثَانِیَ اثۡنَیۡنِ اِذۡ ہُمَا فِی الۡغَارِ کو یارِ غارؓ کے نام پر ترجیح دی۔ یعنی چھ الفاظ استعمال کیے گئے مگر ایک لفظ ابوبکرؓ نہ فرمایا۔ لیکن یہ چھ الفاظ ایسے ہیں کہ سبائی بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ثانی سے حضرت ابوبکرؓ ہی مراد ہیں۔ ''ثانی'' کی تاثیر دیکھئے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہر بات میں ثانی ہیں۔ چنانچہ اقبال مرحوم نے لکھا ہے:

ہمّتِ او کشتِ ملّت را چو ابر ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر

یعنی ''اس کی ہمت ملت کی کھیتی کے لیے ابر کی مانند تھی۔ وہ قبولِ اسلام میں' غارِ ثور میں' غزوۂ بدر میں اور قبر میں آپ ﷺ کے ساتھ دوسرے نمبر پر تھے۔''

ان کے بعد ان کا تذکرہ ہے۔ پس اندریں صورت ان دو آیتوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تعلق کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ تبلیغ کا مطلب ''تبلیغِ ولایت و بیعت گرفتن ولایتِ علیؓ'' کیسے ہو سکتا ہے؟ {مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ} کا مقصد تو قرآن ہے، کیونکہ وہی آنحضرت ﷺ پر بواسطہ جبریل نازل ہوتا رہا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ قرآن (لوگوں) کو پہنچائیں اور اسی قرآن کی طرف لوگوں کو دعوت دیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ظاہری معنی ہیں، لیکن سلطان العارفین نے اس کے باطنی معنی بیان کیے ہیں جو صرف ''اہل اسرار'' پر منکشف ہوتے ہیں، صرفیوں اور نحویوں کی رسائی اس مقام تک نہیں ہو سکتی۔

باطنی معنی نکالنے کے لیے قرآن کے ظاہری الفاظ کی تاویل اس طریقے اور اس انداز سے کرنا کہ صرف، نحو، معانی، بیان، عقل اور خرد سب کا خاتمہ ہوجائے اور پڑھنے والا وادیٔ حیرت میں گم ہو جائے، باطنیہ کا سب سے بڑا ''احسان'' ہے اُمتِ محمدیؐ پر، جس کا اندازہ یہ اُمت ابھی تک نہیں لگا سکی ہے۔ یہ فتنہ رومی کے زمانے میں اپنے شباب کو پہنچ چکا تھا، اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو اس طرح متنبہ کیا ہے ؎

کردۂ تاویلِ حرفِ بکر را
خویش را تاویل کن نے ذکر را (۴۷)

میرا خیال ہے کہ آیت زیر بحث کے جو معنی ''برھان الواصلین'' نے بیان کیے ہیں وہ رسول تو کیا خدا کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آئے ہوں گے۔ شاید اقبال نے اسی قسم کی تاویلاتِ باطلہ کے نمونے دیکھ کر یہ قطعہ کہا ہوگا ؎

ز من بر صوفی و مُلّا سلامے
کہ پیغامِ خدا گفتند ما را
ولے تاویلِ شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرئیل و مصطفی را! (۴۸)

---

(۴۷) تو نے اچھوتے الفاظ میں قرآن کی تاویل کی ہے۔ اپنے آپ کو بدل، قرآن میں تاویل نہ کر!

(۴۸) ترجمہ: ''میری طرف سے صوفی و ملا دونوں پر سلام کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام سناتے ہیں۔ لیکن ان کی تعبیر نے اللہ تعالیٰ، جبریلؑ اور رسول اللہ ﷺ سب ہی کو حیرانی میں ڈال دیا ہے۔ (یعنی اللہ کے کلام کو ظاہری معنی سے پھیر کر اس کے من پسند معنی بتاتے ہیں)۔''

باطنیہ کی اسی تدسیس کی بدولت صحیح اسلامی (قرآنی) تصوف کی ساتویں صدی ہجری میں ایسی قلب ماہیت ہو چکی تھی کہ تصوف اور تشیع مترادف الفاظ بن گئے تھے۔ چنانچہ حیدر علی آملی صاحب تفسیر ''بحر الابحار'' نے لکھا ہے:

''تصوّف طریقۂ مرتضوی است و تصوّف و تشیّع یک معنی دارد'' (۴۹)

(ماخوذ از اصول تصوف مؤلفہ ڈاکٹر احسان اللہ استخری، صفحہ ۲۰)

یہی مؤلف ولایت کی بحث میں لکھتا ہے:

''ولایت از آن خدا است و برآں ایں آیت شاھد است {ھُنَالِکَ الْوَلَایَۃُ لِلّٰہِ الْحَقِّ} (۱۸:۴۴)(۵۰) از خدا بمصطفیٰ و در ایں حقیقت جامعیت

(۴۹) ''تصوف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طریقہ ہے، اور تصوف اور تشیع ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔

(۵۰) مصنف نے اس آیت سے جو استدلال کیا ہے وہ سراسر غلط ہے بلکہ قرآن پر ظلم عظیم ہے۔ مصنف اتنی عربی ضرور جانتا ہو گا کہ وِلَایَۃ اور وَلَایَۃ میں فرق کر سکے، مگر اُس نے دانستہ تحریف معنوی سے کام لیا تاکہ وہ یہ کہہ سکے کہ اس آیت کی رو سے ''ولایت از آن خداست''۔ اس آیت کا یہ مطلب اور معنی ہرگز نہیں ہیں۔ دلائل یہ ہیں:

(۱) آیت میں لفظ وَلَایَۃ ہے نہ کہ وِلَایَۃ اور ان دونوں لفظوں میں بہت فرق ہے۔ وَلَایَۃ (وائو پر زبر کے ساتھ) کا معنی ہے نصرت یا مدد یا کارسازی۔ وِلَایَۃ (وائو کے نیچے زیر) کا معنی ہے حکومت یا اقتدار یا ملک (دیکھو زمخشری)۔

(۲) اس آیت کے سیاق و سباق سے ثابت ہے کہ یہاں ولایت مزعومہ و مفروضہ کا قطعاً ذکر نہیں، بلکہ میں قارئین کی آگاہی کے لیے اس بات کا اضافہ کرتا ہوں کہ پورے قرآن میں ولایت ِمزعومہ کا کہیں تذکرہ نہیں ہے۔ اللہ کو معلوم تھا کہ سبائی حضرت علیؓ سے ولایت کو منسوب کر کے انہیں رسول سے بھی بڑھا دیں گے، اس لیے اللہ نے دو جگہ وَلَایَۃ تو استعمال کیا ہے: (دیکھو ۸:۷۲ {مَا لَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ... الخ}

مگر لفظ وِلَایَۃ کہیں استعمال نہیں کیا۔ قرآن میں نہ کہیں لفظ علیؓ (اسم زوجِ فاطمہؓ) آیا ہے نہ لفظ ولایت آیا ہے اور نہ ولایت ِعلی کا کوئی تذکرہ ہے۔ ہر مؤمن متقی اللہ کا ولی (دوست) ہے اور اللہ اُس کا ولی (دوست) ہے۔ باز آمدم

برسر مطلب' آیت زیر بحث سے پہلے اللہ تعالیٰ نے دو آدمیوں کی مثال بغرض تذکیر بیان کی ہے جن میں سے ایک کو اللہ نے باغ اور دولت دی جس پر اس نے تکبر کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اسے ان نعمتوں سے محروم کر دیا۔ اس نے کہا : {یٰلَیۡتَنِیۡ لَمۡ اُشۡرِکۡ بِرَبِّیۡۤ اَحَدًا} پھر اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی جماعت >>

ست' علی و فاطمہ تا حضرت قائم ثانی عشر' یک پایہ و دارائے یک مایہ اند۔ چنانچہ رسولؐ فرمود: (ا) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوۡرِیۡ (ب) اَنَا وَعَلِیٌّ مِنۡ نُوۡرٍ وَاحِدٍ (شاعرے ایں حدیث را چنیں نظم کردہ است)

علی و مصطفٰی ہمچو دو دیدہ
زیک نورِ جلیل اند آفریدہ (۵۱)

(اصول تصوف مؤلفہ ڈاکٹر احسان اللہ استخری' صفحہ ٦٩)

مقصود ان تصریحات سے یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں نقشبندی سلسلے کے علاوہ جس قدر سلسلے_____

>>اسے مدد نہ دے سکی اور نہ وہ خود بدلہ لے سکا۔ اس کے بعد یہ آیت ہے کہ {ھُنَالِکَ الۡوَلَایَۃُ لِلّٰہِ الۡحَقِّ} یعنی ''حقیقت یہ ہے کہ حکمرانی' کارسازی اور نصرت یہ ساری باتیں صرف اللہ کے لیے ثابت ہیں جو الحق یعنی سچا اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے''۔
اب قارئین خود ہی فیصلہ کر لیں کہ اس آیت کو سبائیوں کی موہومہ ولایت سے کیا تعلق ہے۔ لیکن اس فرقے نے باطنی مفہوم مستخرج کرنے کے لیے پہلے تاویل کا دروازہ کھولا' پھر تاویل کے ذریعے سے پورے قرآن کو بازیچہ اطفال بنا دیا۔ اس کی مثالیں سبائیہ' باطنیہ' قرامطہ کے لٹریچر سے بآسانی مل سکتی ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھو ''قواعد آلِ محمد (باطنیہ) تالیف محمد بن حسن الایلمی یمانی' زمانہ تصنیف ۷۰۷ھ صفحہ ۱۷' ۱۸۔ مثلاً طہارۃ سے مراد ہے مذہب باطنی کے علاوہ ہر مذہب سے براء ت' زنا سے مراد ہے علم باطن کے نطفے کو کسی ایسی ہستی کی طرف منتقل کرنا جو عہد میں شریک نہ ہو' روزے سے مراد ہے افشائے راز سے پرہیز کرنا' نماز سے مراد ہے امام وقت کی طرف لوگوں کو دعوت دینا' تیمم سے مراد ہے ماذون سے علم حاصل کرنا' حج سے مراد ہے اس علم کا طلب کرنا جو منزلِ مقصود ہے' زکوٰۃ سے مراد ہے اہل استعداد میں اشاعت علم کرنا۔'' (منقول از تاریخ دعوت و عزیمت مؤلفہ مولانا ابوالحسن علی

ندوی، صفحہ ۱۰۸)

(۵۱) ترجمہ عبارت :''اقتدار اس خدا کی طرف سے ہے اور اس پر یہ آیت شاہد ہے۔ (الکہف:۴۴) خدا سے مصطفی ﷺ تک اور اس حقیقت میں جامعیت ہے کہ علیؓ اور فاطمہؓ سے حضرت قائم بارہویں امام تک ایک ہی رتبہ کے حامل ہیں۔ اور ایک ہی درجہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (ا) اللہ نے سب سے پہلے جو تخلیق کیا وہ میرا نور ہے۔ (ب) میں اور علی ایک ہی نور سے ہیں۔ (ایک شاعر نے اس حدیث شریف کو اس طرح نظم میں پیش کیا ہے: علیؓ اور مصطفی ﷺ دو آنکھوں کی طرح ہیں ' وہ دونوں ایک ہی نورِ جلیل سے پیدا کیے گئے ہیں۔''

سُنّیوں میں پائے جاتے ہیں سب میں کم و بیش یہی عقائد مسلم اور مقبول ہیں۔ سُنّی عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے خواص بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہی عقائد رکھتے ہیں ' بلکہ بوقت ِحاجت رسولؐ کے بجائے انہی کو پکارتے ہیں۔ اور کیوں نہ پکاریں ' جب وہ اپنے بزرگانِ سلسلہ کی تصانیف میں یہ پڑھتے رہتے ہوں کہ جنگ ِتبوک میں خود آنحضرت ﷺ نے ''مولا علی'' کو پکارا تھا۔

اسی لیے عصر حاضر کے مصری محقق ڈاکٹر ذکی مبارک کو یہ کہنے کا موقع مل سکا:

والواقع ان الصلۃ بین التشیع والتصوف فعلیؒ ھو معبود الشیعۃ وامام الصوفیۃ (۵۲) (التصوف الاسلامی ' مؤلفہ ڈاکٹر ذکی مبارک ' جلد دوم ' صفحہ ۲۳)

باطنیت کے اثرات تصوف پر

اب ناظرین خود غور کر لیں کہ جن لوگوں (باطنیہ) نے قرآن کے ساتھ یہ تلعب (کھیل) کیا ' انہیں اسلامی تصوف کو کفر و شرک کا ملغوبہ بنادینے میں کیا تامل ہو سکتا تھا۔ ان کو تو اہل سنت کو گمراہ کرنا تھا۔ چونکہ تصوف

لی راہ سے گمراہی کی اشاعت آسان ترین تھی اور کامیابی یقینی تھی اس لیے انہوں نے اسلامی تصوف ہی کو خاص طور سے ہدفِ تدسیس و تلبیس و تحریف بنایا اور جھوٹی روایتوں کو سُنّی صوفیوں کے دماغوں میں اس طرح جاگزیں کر دیا کہ اکثر نے انہیں بلا تحقیق قبول کر لیا' اور ان روایتوں کے زیر اثر اکثر صوفیوں کے عقیدے اہل سنت کے مسلمہ عقائد سے مختلف ہو گئے' بلکہ وہ بعض عقائد میں سبائیوں کے ہم نوا ہو گئے۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَان!)

۱) ''مِصباحُ الہدایۃ ومِفتاحُ الکِفایۃ''

عزالدین محمود بن علی کاشانی (متوفی ۷۳۵ھ) نے تصوف میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ہے ''مِصباح الہدایۃ ومِفتاح الکفایۃ''۔ اس کو پروفیسر جلال الدین ہمائی کے مقدمے اور تعلیقات کے ساتھ کتاب خانہ سَنائی نے طہران سے شائع کیا ہے۔ پروفیسر مذکور نے اپنے مقدمے کا آغاز اپنی مخصوص ذہنیت کی بناء پر'' بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم '' کے بجائے ''بنام خداوند بخشندۂ بخشائش گر مہربان'' سے کیا ہے' حالانکہ ہر عالم جانتا ہے کہ لفظ

---

(۵۲) ترجمہ: ''واقعہ یہ ہے کہ تشیع اور تصوف کے مابین گہرا تعلق ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شیعوں کے معبود ہیں اور صوفیاء کے امام۔''

''خداوند'' اللہ کے مفہوم کو ادا نہیں کر سکتا۔

چونکہ کاشانی نے یہ کتاب شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی ''عوارف المعارف'' کو سامنے رکھ کر لکھی ہے اس لیے بعض لوگوں کو یہ مغالطہ لاحق ہو گیا کہ یہ کتاب اس کا ترجمہ ہے۔ چنانچہ نولکشوری نسخے میں اسے ترجمہ ہی لکھا گیا ہے۔

چونکہ کاشانی باطن شیعہ ہے (جیسا کہ آگے چل کر واضح کروں گا) اس لیے مقدمہ نگار نے اس کی خدمت میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر ہمائی اپنے مقدمے میں خود لکھتا ہے:

(ا) وہ ہر جگہ آلِ محمدؐ پر صلوات کو محمد ﷺ پر صلوات کی ردیف قرار دیتا ہے' مثلاً دیکھو دعائے بعد از طعام' صفحہ ۲۷۴: الحمد لله الذی اطعمنا هذا ورزقناه من غیر حول منا اللّٰهم صلّ علٰی محمد وآل محمد (انتہیٰ بلفظہٖ' صفحہ ۲۷۴)

(ب) آیت نجویٰ کے بارے میں وہ شیعہ کی طرح یہ روایت کرتا ہے کہ علی علیہ السلام کے علاوہ کسی نے اس آیت پر عمل نہیں کیا اور اس طرح موافق منافق سے ممتاز ہو گیا۔ (صفحہ ۲۲۴)

(ج) ایک جگہ وہ یہ بات بھی نقل کرتا ہے کہ علی علیہ السلام نے عمرؓ کو نصیحت کی تھی۔ (صفحہ ۲۷۸)

(د) وہ علی علیہ السلام کو دوسرے صحابہ پر ترجیح و تفضیل دیتا ہے اور اپنے باطن میں ان کو تمام صحابہ سے زیادہ دوست رکھتا ہے' لیکن اس کے اظہار کو واجب نہیں جانتا۔ (صفحہ ۴۸)

[مقتبس از مقدمہ' صفحہ ۴۴'۴۵]

پروفیسر ہمائی کی یہ تصریحات میرے دعوے کے اثبات کے لیے بالکل کافی ہیں کہ کاشانی بباطن شیعہ ہے۔ تاہم اس نے صفحہ ۴۸ پر جو غلط بیانی کی ہے اسے نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کرنی مناسب ہے' تاکہ جو سُنّی اس کی کتاب میں یہ عبارت پڑھیں وہ گمراہی سے محفوظ رہ سکیں۔

مصنف نے ازراہِ تقیہ صفحہ ۴۶ پر یہ لکھا ہے کہ ''مؤمن حقیقی اس بات کو روا نہیں رکھ سکتا کہ اصحابِ رسول پر قدح کرے' کیونکہ انہوں نے رسول کی محبت پر مہاجرت کی' اقارب سے جدائی اختیار کی اور اپنے اموال رسول ﷺ کے مبارک قدموں پر نثار کیے''۔ (صفحہ ۴۶)

اگرچہ کاشانی نے اس عبارت میں حضرات ابوبکر صدیق' عمر فاروق اعظم اور عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نام لے کر تذکرہ نہیں کیا ہے' تاہم اس عبارت سے یہ ضرور ثابت ہو گیا ہے کہ اس کا لکھنے والا شاتم صحابۂ رسول نہیں ہے' مگر اس فصل نہم کا آخری جملہ ایسا ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا اہل سنت والجماعت میں سے نہیں ہے۔

''پس عقیدہ صحیحہ سلیمہ یہ ہے کہ:

(ا) سب صحابہؓ کو دوست رکھے اور ان میں ایک کو دوسرے پر ترجیح و تفضیل سے اپنے آپ کو روکے۔

(ب) اگر اس کے باطن میں فضیلت کی بنا پر کسی صحابی کی محبت راجح ہو جائے تو اس کو پوشیدہ رکھے' کیونکہ اس پر اس کا اظہار واجب نہیں ہے۔

(ج) اس مشاجرت کے باب میں جو امیر المؤمنین علی علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان واقع ہوئی' ہم یہ اعتقاد رکھتے

ہیں کہ علی علیہ السلام اجتہاد خلافت میں محق اور مصیب تھے اور امر خلافت کی مباشرت کے لیے مستحق اور متعین تھے جبکہ معاویہ مخطی اور مبطل اور مذنب اور غیر مستحق تھے {مَنْ یَّھْدِ اللہُ فَھُوَ الْمُھْتَدِ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا}'' (صفحہ ۴۸)

اس عبارت میں کاشانی اپنی اصلی شکل میں نمودار ہو گیا ہے۔ اس گروہ کا شروع ہی سے یہ طریقہ رہا ہے کہ جس صورت سے اور جس طرح ہو سکے اہل سنت کو گمراہ کیا جائے۔

واضح ہو کہ یہ عقائد اہل سنت کے ہرگز نہیں ہیں۔ کاشانی نے ایک صوفی کے لباس میں اہل سنت کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں اہل سنت کا عقیدہ صحیحہ سلیمہ درج کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو رہا ہوں۔

(i) پہلی صدی ہجری سے تا ایں دم تمام اہل سنت کا اجماعی اور متفقہ عقیدہ یہ رہا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں افضل و اکمل واتقیٰ ہیں' بلکہ انبیاء ؑ کے بعد تمام روئے زمین کے انسانوں سے افضل ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(ا) امام فخر الدین رازی' کتاب الاربعین میں صفحہ ۲۶۴ پر لکھتے ہیں کہ: مذھب اصحابنا ان افضل الناس بعد رسول اللہ ﷺ ھو ابوبکر رضی اللہ عنہ یعنی اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ سب انسانوں میں افضل ہیں۔

(ب) امام نجم الدین النسفی عقائد نسفی میں لکھتے ہیں: ''ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انسانوں میں ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں اور ان کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ (انگریزی ترجمہ' شرح عقائد' ص ۱۴۱)

(ج) امام کمال الدین بن الہمام کتاب المسائرہ میں صفحہ ۳۱۲ پر لکھتے ہیں: ''صحابہ اربعہ یعنی الخلفاء کی فضیلت علیٰ حسب ترتیب فی الخلافت یہ ہے کہ پہلے ابوبکرؓ' پھر عمرؓ''... نیز صفحہ ۳۱۲ پر لکھتے ہیں کہ صحیح البخاری میں محمد بن الحنفیہؒ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے باپ

علیؓ سے پوچھا: ایّ النّاس خیر بعد رسول اللہ ﷺ ؟ فقال ابوبکررضی اللہ عنہ یعنی ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انسانوں میں کون افضل ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ابوبکرؓ۔''

(د) مولانا محمد ادریس کاندھلوی ؒعقائد الاسلام میں صفحہ ۱۵۰ پر لکھتے ہیں: ''تمام اہل حق کا اس پر اجماع ہے کہ پیغمبروں کے بعد تمام انسانوں میں افضل اور بہتر اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امام برحق اور خلیفہ ٔمطلق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں''۔ پھر صفحہ ۱۶۰ پر لکھتے ہیں: ''امام ذہبی نے بسند صحیح بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بعض لوگ مجھے ابوبکرؓ اور عمرؓ پر فضیلت دیتے ہیں۔ میں جسے

فضیلت دینے والا پائوں گا تو وہ مفتری ہے اور اسے وہی سزا دوں گا جو مفتری کی ہے۔''

بخوفِ طوالت صرف ان چار شہادتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ جو لوگ اس مسئلے کی تفصیل کے آرزومند ہوں وہ مکتوبات حضرت مجددالف ثانی رحمہ اللہ علیہ اور قرۃ العینین فی فضیلۃ الشیخینؓ مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ علیہ کا مطالعہ کرلیں۔ انہیں معلوم ہوجائے گاکہ پہلی صدی سے اس وقت تک تمام اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ افضل البشر بعد الانبیاء ہیں۔ آخر میں ایک غیر مسلم سر ولیم میور کی شہادت درج کرتا ہوں تاکہ قارئین کو یہ معلوم ہو جائے کہ دراصل فضیلت وہ ہے جس پر اَعداء بھی گواہی دینے پر مجبور ہوں۔ ولیم میور اپنی تالیف ''الخلافۃ'' میں لکھتا ہے:

(ا) 'پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سچائی پر ایمان ابوبکرؓ کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی اور اب جبکہ ان کے مرشدؐ کی وفات ہو چکی تھی ' مرید نے اپنی زندگی ان کی آرزو کی تکمیل کے لیے وقف کر دی۔ یہی جذبہ ٔفدویت تھا جس نے ابوبکرؓ کی نرم اور مصالحت نواز افتادِ طبع میں اس قدر ہمت پیدا کر دی اور انہیں محمد(صلی اللہ علیہ وسلم) کے تمام متبعین (صحابہ) میں سب سے زیادہ سچا' سب سے زیادہ ثابت قدم اور سب سے زیادہ ثابت العزم بنا دیا۔''(صفحہ ۷)

(ب) ''ابوبکر کے دل میں ذاتی اعزاز کے حصول کی مطلق آرزو نہ تھی۔ اگرچہ انہیں اقتدار اعلیٰ حاصل تھا' لیکن انہوں نے اس اقتدار کو اسلام اور مسلمانوں کی بہبود کے لیے استعمال کیا۔ لیکن ان کی طاقت اور سطوت کا سب سے بڑا راز صداقت رسولؐ پر ایمان محکم میں مضمر تھا۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ مجھے خلیفۃ اللہ مت کہو! میں تو محض خلیفہ ٔرسول ہوں۔ زندگی بھر ان کے سامنے صرف ایک ہی سوال رہا' یعنی اس معاملے میں نبی(صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا حکم دیا تھا یا وہ خود اس معاملے میں کیا کرتے! ساری عمر انہوں

نے اس اصول سے بال برابر انحراف نہیں کیا۔ اسی جذبہ ٔفنائیت کی بدولت انہوں نے فتنۂ ارتداد کا ایسی کامیابی سے قلع قمع کر دیا۔ اگرچہ ان کا عہد حکومت مختصر تھا مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد تمام صحابہ میں ابوبکرؓ سے بڑھ کر کوئی شخص اسلام کا محسن نہیں ہے۔ چونکہ پیغمبر اسلام پر ان کا ایمان راسخ بذاتِ خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سچائی کی زبردست دلیل ہے' اس لیے میں نے ان کی زندگی اور سیرت کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے۔ اگر محمد(صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے دعوے میں سچے نہ ہوتے تو وہ کبھی ہرگز ابوبکر جیسے دانشور اور صاحب عقل و خرد انسان کی رفاقت حاصل نہیں کر سکتے تھے''۔ (صفحہ ۸۱)

میں نے بھی میور کی کتاب سے یہ دو اقتباسات اس لیے تفصیل کے ساتھ نقل کر دیے ہیں کہ قارئین یہ اندازہ کر سکیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی اور سیرت دونوں اس قدر شاندار' اَرفع ' پاکیزہ اور بے عیب ہیں کہ ایک غیر مسلم بھی جو نہ اسلام کا دوست ہے نہ مسلمانوں کا خیرخواہ ہے' ان کی تعریف و تحسین پر مجبور

ہے ' بلکہ انہیں تمام صحابہ میں سب سے زیادہ مخلص ' سب سے زیادہ راست باز ' سب سے زیادہ ثابت قدم قرار دیتا ہے۔ انہیں بعد رسولؐ اسلام کا سب سے بڑا محسن سمجھتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ انہیں تمام صحابہؓ میں سرکار دوعالم ﷺ کا سب سے بڑا فدائی ' سب سے بڑا عاشق اور سب سے بڑا متبع یقین کرتا ہے۔ بالفاظِ دیگر اہل سنت کی طرح انہیں تمام صحابہؓ میں افضل اور اکمل جانتا ہے اور ان سب باتوں سے بلند تر بات یہ ہے کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان اور خلوص کو خود انؓ کے آقا اور مولیٰ ﷺ کی صداقت کی دلیل گردانتا ہے۔

شاید ہی کسی غیر مسلم نے میور سے بڑھ کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام رفیع کو پہچانا ہو۔ میں نے بدلائل عقلیہ و شواہد نقلیہ یہ بات واضح کر دی کہ کاشانی نے جو یہ بات لکھی ہے کہ صحابہؓ میں کسی کو کسی پر ترجیح نہ دے ' سراسر گمراہی اور بطالت ہے اور اہل سنت کے اجماعی عقیدے کے خلاف ہے۔ اسی ایک بات سے ثابت ہو گیا کہ کاشانی اہل سنت والجماعت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ علام الغیوب تو صرف اللہ تعالیٰ ہے ' ہم تو ظواہر ہی پر حکم لگا سکتے ہیں کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(ii) پھر کہتا ہے کہ ''اگر کسی صحابی کی محبت راجح ہو جائے تو اسے پوشیدہ رکھے''۔ یہ بات کہہ کر اس نے اپنے آپ کو بالکل ظاہر کر دیا ۔ اپنے عقائد کو چھپانا اور پوشیدہ رکھنا ' یہ ہرگز اہل سنت کا مسلک نہیں ہے بلکہ سبائیہ اور باطنیہ کا مذہب ہے۔

(iii) اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ اہل سنت استعمال

نہیں کر سکتے ' بلکہ وہی لوگ لکھ سکتے ہیں جن کے قلوب میں زیغ اور کذب راسخ ہو چکا ہے۔ علاوہ بریں اس نے ہر جگہ حضرات علی ' حسن و حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے علیہ السلام کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سُنّی نہیں تھا ' کیونکہ تمام اہل سنت کا یہ طریق ہے کہ وہ انبیاء کرام ؑ کے لیے علیہ السلام اور صحابہؓ کے لیے رضی اللہ عنہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ کاشانی نے اپنی صحابہ دشمنی کا یہاں تک ثبوت دیا ہے کہ اس نے جنید اور بایزید کے نام کے آگے رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے مگر حضرت معاویہؓ کے نام کے آگے کچھ نہیں لکھا۔ اب ناظرین خود فیصلہ کر لیں کہ وہ کس طائفے سے تعلق رکھتا ہے۔

(iv) اس نے صفحہ ۲۷۸ پر لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو زہد وورع اختیار کرنے کی تلقین کی تھی۔ یہ روایت نقلاً اور عقلاً دونوں طرح غلط اور وضعی ہے۔ نقلاً اس لیے کہ کاشانی نے اس روایت کی سند بیان نہیں کی اور عقلاً اس لیے کہ حضرت عمرؓ اس قدر زاہد اور متورع تھے کہ وہ خود حضرت علیؓ کے لیے اُسوۂ حسنہ تھے۔ چونکہ موازنہ ایک نازک امر ہے اس لیے یہیں قلم روکتا ہوں ' ورنہ اس پر ایک مقالہ لکھا جا سکتا ہے۔

الحمد للہ میں نے بشواہد و دلائل ثابت کر دیا کہ کاشانی نے صوفی بن کر جاہل اور عالم دونوں قسم کے

سنیوں کو گمراہ کرنے کا پورا پورا سامان اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ بقول پروفیسر ہمائی مقدمہ نگار وہ شیعہ تفضیلیہ تھا اور میری رائے میں وہ شیعہ تھا۔ اس نے تقیہ اختیار کرکے صوفیوں کا لباس پہنا اور اس کتاب کے پردے میں اہل سنت کے دماغوں میں خلافِ اسلام عقائد جاگزیں کر دیے۔ اور چونکہ صوفیوں میں اسلاف کی کتابوں یا ان کے مقولوں پر تنقید خلافِ ادب یقین کی جاتی ہے اس لیے اس قسم کے غلط عقائد اور بے سند قصے ہمارے یہاں صدیوں سے مقبول اور مسلم چلے آرہے ہیں۔

کاشانی نے اس کتاب میں ایک روایت ایسی درج کی ہے جس کی چاشنی سے قارئین کو محروم رکھنا مناسب معلوم نہیں ہوتا ‘لیکن میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا ‘اس لیے کہ نزاکت روایت تابِ تبصرہ ندارد۔ ہاں مجبوراً ترجمہ کیے دیتا ہوں:

’’چنانکہ رسیدہ است کہ وقتے حسین بن علیؓ نے اپنے باپ سے پوچھا: ’’کیا آپ مجھ سے محبت رکھتے ہیں؟‘‘ انہوں نے کہا ’’ہاں‘‘۔ پھر حسین نے پوچھا ’’کیا آپ اللہ سے محبت رکھتے ہیں؟‘‘ انہوں نے کہا ’’ہاں‘‘۔ یہ سن کر حسین نے کہا ’’ہیہات

قلب واحد میں دو محبتیں تو جمع نہیں ہو سکتیں‘‘۔ یہ سن کر حضرت علیؓ رونے لگے۔ اس وقت حسینؓ نے کہا: ’’اے باپ! اگر آپ کو میرے قتل اور اپنے ایمان کے ترک میں اختیار دیا جائے تو آپ کس کو اختیار کریں گے؟‘‘ حضرت علی نے کہا: ’’میں ترکِ ایمان پر قتل کو اختیار کروں گا‘‘۔ یہ سن کر حسینؓ نے کہا: ’’خوش ہو جایئے اے باپ! کیونکہ وہ محبت ہے اور یہ شفقت ہے۔‘‘

پروفیسر ہمائی نے اس روایت کی تضعیف یا تردید تو نہیں کی مگر حاشیے میں اتنا ضرور لکھ دیا ہے کہ ’’ماخذ ایں روایت معلوم نیست‘‘ (ص ۴۰۷)

اب پروفیسر ہمائی کو کون بتائے کہ اللہ کے بندے! اس کتاب میں بہت سی روایات ایسی مندرج ہیں جن کا ماخذ نہ معلوم ہے اور نہ کبھی معلوم ہو سکتا ہے۔ پروفیسر صاحب کسی ’’صاحب اسرار‘‘ کی صحبت اختیار کریں تو یہ باطنی علوم شاید ان پر منکشف ہو جائیں۔

۲) ’’محبت ِباری تعالیٰ‘‘

کاشانی کی کتاب کے بعد اب ہم ناظرین کو حضرت مولانا محمد عثمان انصاری نقشبندی جالندھریؒ کی تصنیف ’’محبت ِباری تعالیٰ‘‘ کی سیر کراتے ہیں۔ مصنف کتاب نے‘ جیسا کہ اس کے مترجم مولوی محمد سلیمان صاحب گیلانی نے ’’عرض مترجم‘‘ میں لکھا ہے‘ سب سے پہلے حضرت شیخ جلال الدین تھانیسریؒ سے قادری سلسلے میں بیعت کی تھی‘ پھر خواجہ محمد اسحاقؒ سے نقشبندی طریق کی اجازت حاصل کی۔ آخری دور حضرت خواجہ باقی باللہ

ؒ(متوفی ۱۰۱۲ئ) کی خدمت میں گزارا۔ یعنی خواجہ محمد عثمان' حضرت مجدد الف ثانی ؒ کے پیر بھائی تھے اور غالباً گیارہویں صدی ہجری کے نصف اول میں فوت ہوئے۔ اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ (ص۱۵)

فاضل مترجم طریقت اور شریعت دونوں کے جامع ہیں۔ انہوں نے اس کتاب میں جس قدر ضعیف احادیث اور غلط روایات درج ہیں' سب کی نشان دہی کی ہے۔ اسلامی تصوف میں غیر اسلامی عقائد کی جو آمیزش ہو گئی ہے اس پر ان کا تبصرہ ذیل میں درج کرتا ہوں' کیونکہ اس سے میرے دعوے کی تائید و تصدیق ہوتی ہے:

''قصہ مختصر آج کل تصوف میں 'منکر' کی آمیزش ہو چکی ہے۔ طالب کو لازم ہے کہ صوفیہ کی اچھی باتوں کو حاصل کرے ' غلط باتوں کو چھوڑ دے۔ اصل دین (اہل تصوف کی کتابیں نہیں بلکہ) کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ صوفیہ کے جو اقوال کتاب و سنت کے مطابق ہوں ان کو قبول کر لیا جائے اور جو ان کے خلاف ہوں انہیں چھوڑ دیا جائے۔''

''محدثین میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو جمع حدیث میں بھی امام ہیں اور راویوں پر تنقید میں بھی امام ہیں۔ دوسرے وہ جو جمع حدیث میں تو امام ہیں مگر تنقید میں دسترس نہیں رکھتے۔ تیسرے وہ جو جمع حدیث میں امام نہیں مگر نقد روایت میں امام (ماہر) ہیں۔ لیکن صوفیاء میں سے کوئی بھی ان فنون یعنی فن جرح و تعدیل یا فن نقد و تبصرہ یا فن اسماء الرجال کا مردِ میدان نہیں ہے۔(۵۳) انتہائی عقیدت کے باوجود جب ہم شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کی کتاب 'غنیۃ الطالبین' کو دیکھتے ہیں تو اس میں بھی کافی ضعیف روایات دیکھنے میں آتی ہیں اور بعض موضوع(۵۴) روایات بھی اس میں آ گئی ہیں۔ اسی طرح 'مکتوبات' میں بھی کئی ایسی ضعیف روایات آ گئی ہیں جن سے محدثین کے کان تک ناآشنا ہیں۔

کچھ اسی طرح کی کیفیت زیر نظر کتاب 'محبت ِ الٰہی' کی بھی ہے۔ جہاں تک روایات و احادیث کا تعلق ہے' اس میں بہت کم صحیح احادیث پائی گئی ہیں۔ بعض احادیث مندرجۂ کتاب ضعیف ہیں اور ایک اچھی خاصی تعداد موضوع روایات کی بھی موجود ہے۔''

''محبت ِالٰہی'' میں جس قدر ضعیف اور موضوع روایات درج ہیں ان میں سے بعض پر فاضل مترجم نے ''ضمیمہ متعلقہ کتاب محبت ِباری تعالیٰ'' کے ذیل میں مفصل تنقید کی ہے۔ یعنی پڑھنے والوں کو گمراہی سے بچانے کا پورا انتظام کر دیا ہے (جزاہ اللہ احسن الجزائ) ۔ میں یہ پورا ضمیمہ تو نقل نہیں کر سکتا' صرف ایک جھوٹی روایت پر ان کی تنقید جذباتِ ممنونیت کے ساتھ درج کیے دیتا ہوں۔ فاضل مترجم اور ناقد صفحہ ۴۹۲ پر لکھتے ہیں:

''کتابِ ہذا کے صفحہ ۳۰۶ پر ایک منظوم حکایت بیان کی گئی ہے جس میں آنحضرت ﷺ کی اپنی اُمت پر شفقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ لیکن جس طرح آپؐ کی شفقت کا اظہار

(۵۳) مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ فاضل مترجم کثر اللہ مثلہ نے اخلاقی جرأت سے کام لے کر یہ سچی بات بلاخوف لومۃ لائم واشگاف الفاظ میں درج کتاب کر دی۔ میں بھی بائیس سال تک (۱۹۴۵ء تا ۱۹۶۷ئ) کتب تصوف کا مطالعہ کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔ کشف المحجوب اور اس کے مصنف دونوں کی عظمت مسلمہ ہے مگر اس میں بھی ضعیف روایات موجود ہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ صوفیاء ارباب حال تو تھے مگر محدث اور نقاد رواۃ نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن جوزی نے اکثر صوفیاء پر تنقید کی ہے۔

(۵۴) میں جسے جھوٹی روایت کہتا ہوں' محدثین اپنی اصطلاح میں اسے موضوع (من گھڑت) کہتے ہیں اور اس کا درجہ ضعیف روایات سے بھی بہت پست ہے' یعنی قطعاً ناقابل قبول۔

کیا گیا ہے یا جس طرح کا انداز اختیار کیا ہے وہ قطعاً صحیح نہیں ہے۔ اس میں کئی ایک چیزیں خلافِ شریعت آ گئی ہیں۔ اس منظوم حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ تمام رات نماز پڑھا کرتے تھے اور اُمت کی سفارش میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اتفاق سے ایک رات آپؐ کو نیند آ گئی۔ خدا کی طرف سے وحی آئی کہ آپؐ کو سونا نہیں چاہیے تھا۔ اس جرم کی سزا آپؐ کو یہ دی جائے گی کہ آپؐ کی تمام اُمت کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ سن کر آپ ﷺ شہر سے باہر تشریف لے گئے اور جب تین دن گزر گئے تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تشویش ہوئی' جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ: آپؓ کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کہاں تشریف لے گئے ہیں؟ آپؓ نے وحی آنے کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ اس کے بعد آپ ﷺ گھر تشریف نہیں لائے۔ صحابہؓ تلاش کے لیے مدینہ سے باہر نکلے۔ ایک چرواہا ملا۔ اس سے پوچھا کہ: کہیں ہمارے رسولؐ کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا: آج تین دن گزر چکے ہیں میری بکریاں گھاس نہیں چرتیں۔ اس پہاڑ کی طرف منہ کر کے کھڑی رہتی ہیں جہاں سے نہایت دردناک آوازیں آتی رہتی ہیں۔ یہ سنتے ہی صحابہؓ اس پہاڑ کی طرف دوڑے۔ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ سجدے میں پڑے ہوئے تھے' آنسوؤں سے زمین پر کیچڑ ہو گئی تھی اور آپ کا چہرہ اس میں لت پت تھا اور آپ رو رو کر اُمت کی بخشش کی دعائیں کر رہے تھے۔ چاروں خلفاء نے علی الترتیب عرض کی کہ آپؐ سجدے سے سر اٹھایئے' ہم نے اپنی تمام زندگی کے نیک اعمال آپؐ کی اُمت کی رہائی کے لیے بخش دیے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ بھی کہا کہ میں نے جو قرآن جمع کیا ہے اس کا ثواب بھی آپؐ کی اُمت کو بخشتا ہوں۔ مگر آپؐ نے چاروں خلفاء کو ایک ہی جواب دیا کہ اس سے میرا کام نہیں چل سکتا۔ جب خدا کی طرف سے حکم آ چکا ہے کہ میں تیری اُمت کے تمام افراد کو دوزخ میں ڈال دوں گا تو تمہاری باتوں پر کس طرح اعتبار کر سکتا ہوں۔ جب صحابہؓ مایوس ہو گئے تو ایک آدمی کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں روانہ کیا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ آپؐ گھر تشریف لے چلیں' میں اپنی زندگی کے تمام اعمال آپ کی اُمت پر نثار کرتی ہوں۔ آپؐ نے حضرت فاطمہ کو بھی وہی

جواب دیا۔ جب وہ آپؐ سے مایوس ہو گئیں تو انہوں نے اپنا سر برہنہ کیا اور سجدے میں گر گئیں اور رو رو کر خدا سے دعائیں کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جبریل تشریف لائے اور خدا کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو اُمت کی بخشش کی خوشخبری سنائی اور کہا کہ خدا نے

فاطمہؓ کے آنسوئوں کی لاج رکھ لی اور آپؐ کی اُمت کو بخش دیا گیا۔ حضرت فاطمہؓ نے صرف آپؐ کی اُمت کے لیے سفارش کی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر فاطمہؓ تمام دنیا کے لوگوں کے لیے سفارش کرتیں تو میں تمام دنیا کو بخش دیتا۔ اس کے بعد حضور ﷺ مع تمام صحابہؓ خوش خوش گھر تشریف لے آئے۔''

اس منظوم حکایت کا خلاصہ بیان کرنے کے بعد فاضل مترجم نے یہ تبصرہ کیا ہے:

''اس حکایت میں خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں:

(ا) آپ ﷺ نے تمام رات کبھی بھی جاگ کر نہیں گزاری' بلکہ آپ ﷺ قریباً آدھی رات سویا کرتے تھے اور آدھی رات قیام فرمایا کرتے تھے' کیونکہ سورۂ مزمل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپؐ رات کے کچھ حصے میں سویا کریں اور آدھی رات کے بعد اٹھ کر قرآن پڑھا کریں۔ غور کیجیے' کیا آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی خلاف ورزی دیدہ و دانستہ کر سکتے تھے؟

(ب) اس کے بعد یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سوئیں تو آنحضرت ﷺ اور ان کے جرم کی سزا ملے اُمت کو! اللہ نے تو یہ فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(ج) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اپنے جمع قرآن کے عمل کو پیش کرنا بھی خلافِ واقعہ ہے' کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ کی زندگی میں قرآن جمع ہی کب کیا تھا؟

(د) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اپنے سر کو برہنہ کر کے سجدے میں گر پڑنا کہاں جائز ہے؟ حدیث میں آیا ہے کہ جب تک کسی عورت کا سر ننگا رہتا ہے فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایسا فعل کر سکتی تھیں جس پر خدا کے فرشتے لعنت کریں؟ اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بالغ عورت کی نماز دوپٹے کے بغیر قبول نہیں ہو سکتی تو ان کا سجدہ کیسے قبول کر لیا گیا؟

(ھ) سبحان اللہ! کیا مقام ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا! رسول اللہ ﷺ تو تین دن سے رو رہے تھے' آپؐ کے آنسوئوں کی تو خدا نے لاج نہ رکھی' لیکن فاطمہؓ کے آنسوئوں کی لاج رکھ لی گئی اور وہ بھی اس حیثیت سے کہ ان سے بھول ہو گئی جو صرف اُمت مسلمہ کی سفارش کی' اگر وہ پوری دنیا کی سفارش کر دیتیں تو خدا تعالیٰ تمام دنیا کے کافروں اور مشرکوں کو بھی بخش دیتا۔ جل جلالہٗ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام زندگی اپنے مشرک باپ کی

سفارش کرتے رہے مگر وہ نہ بخشا گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے مشرک بیٹے کی سفارش کی مگر قبول نہ ہوئی۔ خود آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن اُبی منافق کا جنازہ پڑھا

(یعنی دعائے مغفرت کی) مگر وہ نہ بخشا گیا' بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اے رسولؐ! اگر آپؐ اس کے لیے ستر مرتبہ استغفار کریں گے تو بھی میں اسے نہیں بخشوں گا۔

(و) اس حکایت کی ابتدا میںیہ بیان کیا گیا ہے کہ اس ''حدیث'' کو تمام محدثین نے قبول کیا ہے' حالانکہ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں اس حکایت کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔

(ز) تاریخی لحاظ سے حضور ﷺ کا اس طرح ایک دن بھی مدینہ سے غائب رہنا ثابت نہیں ہے۔

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں یہ سارا واقعہ بناوٹی معلوم ہوتا ہے جسے کسی رافضی نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے بنایا ہے۔(مقتبس از ضمیمہ ٔ محبت باری تعالیٰ' ص ۴۹۲ تا ۴۹۹)

فاضل مترجم کی اس تنقید کے بعد مجھے اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے حقیقت پورے طور پر آشکار کر دی ہے۔ جزاہُ اللہُ خَیْرًا!

۳) ''تعلیماتِ قلندریہ''

اب ہم قلندروں کی محفل میں شرکت کرتے ہیں تاکہ اس جماعت کے علم قلندری سے استفادہ کر سکیں۔ اس کتاب کا نام ہے ''تعلیماتِ قلندریہ'' مؤلفہ شاہ محمد تقی حیدر قلندر' سجادہ نشین آستانہ کاظمیہ۔ یہ کتاب ان مکتوبات پر مشتمل ہے جو اس سلسلے کے افراد نے اپنے مریدوں اور رشتہ داروں کو لکھے تھے۔

یہ مکتوبات غیر مستند اور غیر معتبر روایات سے معمور ہیں۔ شیخ فرید الدین عطار نے اپنے 'تذکرۃ الاولیائ' میں جس قدر حکایتیں اور داستانیں سپرد قلم کی ہیں ان میں سے کسی کی سند نہیں لکھی۔ لوگوں نے ان غیر مستند داستانوں کو محض شیخ عطار کی شخصیت اور ان کی بزرگی کے پیش نظر قبول کر لیا یا ازراہِ ادب سکوت اختیار کیا۔ اس طرح یہ مضرت رساں رسم حلقہ ٔصوفیاء میں جاری ہو گئی۔ نہ کسی تذکرہ نویس نے اسناد کا التزام کیا اور نہ مرتب ملفوظات نے تحقیق کی زحمت گوارا کی۔ فقہی تقلید نے پہلے ہی سے ذوقِ تحقیق و تنقید کو مضمحل کر دیا تھا۔ رہی سہی کسر صوفیانہ تقلید نے پوری کر دی' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری قوم ذوقِ تحقیق سے بیگانہ ہو گئی۔ ممکن ہے ناظرین و قارئین میری اس حق پژدہی اور راست بیانی سے چیں بجبیں ہوں' اس لیے میں ان کے محبوب اور معتمد علیہ شاعر کو اپنی صفائی میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں ؎

شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی !

''اے خدا ! میری قوم میں صدیوں سے کوئی محقق پیدا نہیں ہوا۔ صرف صوفیاء اور فقہاء کے غلام (مقلد) رہ گئے ہیں۔''
صرف ایک شعر اور سن لیجیے :

حلقۂ شوق میں وہ جرأتِ رندانہ کہاں
آہ ! محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق !

صوفیوں کے مکتوبات ہوں یا ملفوظات اور صوفیاء کے تذکرے ہوں یا سوانح حیات، کسی میں اسناد کا التزام نظر نہیں آتا۔ بس ''نقل ہے کہ'' یہ تین لفظ بالکل کافی ہیں۔ ان تین طلسمی الفاظ کے بعد آپ جو چاہیں لکھ دیں۔ قرآن، حدیث، تاریخ، سیرت اور عقلِ سلیم جس کی چاہیں تردید کر دیں، کوئی شخص آپ پر معترض نہیں ہو گا، بلکہ یہ بھی دریافت نہیں کرے گا کہ اس روایت کی سند کیا ہے ! اس لیے پہلے اپنے دعوے پر بہت سے شواہد و دلائل پیش کر چکا ہوں۔ ایک شاہد اسی تعلیماتِ قلندریہ سے پیش کر کے قارئین کی ضیافت یا تفریح طبع کا سامان مہیا کرتا ہوں۔ پہلے محمد کاظم کاکوروی کی علمی دستگاہ کا حال بیان کرتا ہوں۔ پھر ان کے مکتوب سے صرف ایک فقرہ نقل کروں گا۔

واضح ہو کہ ''عارف باللہ'' شاہ محمد کاظم قلندر ۱۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے علومِ درسیہ اپنے زمانے کے بہترین علماء اور اساتذہ مثلاً ملا غلام یحییٰ بہاری اور ملا حمد اللہ سندیلی سے حاصل کیے تھے۔ انہوں نے ۱۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

چونکہ اس مضمون کے نوے فیصد پڑھنے والے ان عالموں کے علمی مقام سے ناواقف ہیں، اس لیے میں چند سطور ان کے بارے میں لکھنی بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ واضح ہو کہ ملا غلام یحییٰ بہاری اپنے زمانے کے بہت نام آور منطقی تھے۔ انہوں نے میر زاہد پر جو حاشیہ لکھا تھا وہ بقول سید سلیمان ندوی مرحوم، درسِ نظامیہ کی معراج ہے اور اسی لیے عرصہ دراز سے نصاب سے خارج ہو چکا ہے کہ اب اس کے پڑھانے والے ''مفقود الخبر'' ہو چکے ہیں۔

نوک کی بات یہ ہے کہ جب منطق اور کلام میں خدا نہ مل سکا تو ملا بہاری مرحوم نے جنید وقت اور بایزید عصر حضرت اقدس میرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ کے آستانے کی خاک کو

طوطیائے چشم بنایا، تب کہیں جا کر محبوبِ حقیقی کا جلوہ نظر آیا۔ بالکل سچ کہا ہے اقبالؒ نے:

مرا از منطق آید بوئے خامی　　دلیل او، دلیلِ ناتمامی
درِ دلہائے بستہ را کشاید　　دو بیت از پیر رومی یا ز جامی

اب رہے ملا حمد اللہ، تو یہ بھی اپنے زمانے کے مشہور منطقی تھے۔ سندیلہ ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ انہوں نے اور ان کے ہم عصر قاضی مبارک گوپاموئی دونوں نے "سُلّم العُلوم" کی شرح لکھی۔ اس کے دو حصے ہیں: تصورات اور تصدیقات۔ اول الذکر کی شرح تصورات موسومہ ''قاضی مبارک'' اور آخر الذکر کی شرح تصدیقات موسومہ ''حمد اللہ'' آج بھی درسِ نظامیہ میں پڑھائی جاتی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اب ان کے پڑھانے والے بھی خال خال ہی رہ گئے ہیں۔ اور اگر پاکستان میں انگریزی کے اقتدار کا یہی عالم رہا (اور زوال کی کوئی صورت نظر نہیں آتی) تو وہ دن دور نہیں ہے جب غلام یحییٰ کی طرح قاضی اور حمد اللہ بھی نصاب سے خارج ہو جائیں گے۔

بازآمدم برسر مطلب، محمد کاظم کی علمی استعداد کا ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا۔ یہ صاحب اپنے برادر حقیقی میر محمد قلندر کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

''اگر اتفاق شود نادِ علی ہزار بار وقتِ پاس آخرِ شب مداومت کنند، لیکن بایں طور کہ بر رخ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بصورت آفتاب بدست راست وایں فقیر را بدست چپ تا خواندن در تصور دارند بسیار فوائد خواہند شد'' (ص ۱۴۷) (۵۶)

یہ ''عارف باللہ'' اپنے بھائی کو ''نادِ علی'' کا وظیفہ پڑھنے کی تلقین کر رہا ہے۔ یہ ''نادِ علی'' کیا ہے؟ یہ داستان قبل ازیں لکھ چکا ہوں اور واضح کر چکا ہوں کہ مہم تبوک میں قطعاً کوئی جنگ واقع نہیں ہوئی تھی، لہٰذا جبریلؑ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مفروضہ دعا تلقین کرنا کہ نادِ عَلِیًّا مظہر

---

(۵۵) ترجمہ: ''مجھے منطق سے نقص کی بو آتی ہے، اس کی دلیل پختہ دلیل نہیں ہوتی۔
پیر رومی یا جامی کے دو شعر بند دلوں کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔''

(۵۶) ترجمہ: ''اگر موقع مل جائے تو نادِ علی ہزار بار رات کے آخری پہر ہمیشہ پڑھیں، لیکن اس طرح کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا چہرہ سورج کی مانند دائیں ہاتھ پر اور اس فقیر (محمد کاظم قلندر) کو بائیں ہاتھ پر رکھیں۔ جب تک پڑھتے رہیں تصور میں رکھنے کے بے شمار فائدے ظاہر ہوں گے۔''

العجائب...الخ سراسر بے بنیاد' بے اصل اور دروغ ہے۔ جنگ کا افسانہ اور آنحضرت ﷺ کا یہ دعا پڑھنا بالکل جھوٹ اور بہتان ہے۔ لیکن اس عارف باللہ کو مظفر علی شاہ کی طرح اتنا بھی معلوم نہیں کہ تبوک میں کوئی قتال نہیں ہوا تھا۔ وہ عارف ہونے کے باوجود اس جعلی دعا کو اصل سمجھ رہا ہے اور اپنے بھائی کو اس کے پڑھنے کی تلقین کر رہا ہے۔ چونکہ ''عارف باللہ'' ہے اس لیے کس میں ہمت ہے کہ اس کی تردید یا تکذیب کر سکے ! اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان عارفوں نے اپنی جہالت کی بدولت کتنے مسلمانوں کو گمراہ کیا ہو گا !

ان مکتوبات میں بہت سی روایات خلافِ شرع اور خلافِ عقل درج ہیں۔ دل پر جبر کرکے صرف ایک روایت ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ شاہ تراب علی قلندر' سفیر شاہ اودھ' امیر عاشق علی خاں بہادر کو لکھتے ہیں کہ:

''نقل ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا ایک ہمسایہ تھا جو ان کا پیر بھائی تھا' یعنی خواجہ عثمان ہارونی کا مرید تھا۔ جب وہ مرا تو خواجہ صاحب جنازے کے ساتھ گئے اور دفن کے بعد اس کی قبر پر مراقب ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کا رنگ زرد ہو گیا مگر فوراً بحال ہوگیا۔ کسی نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ دفن کے فوراً بعد عذاب کے فرشتے ان کی قبر میں آن پہنچے مگر اسی وقت میرے پیر بھی آ گئے اور فرشتوں کے منہ پر تھپڑ مار کر بولے کہ ''خبردار! اسے عذاب نہ دینا' کیونکہ یہ میرا مرید ہے''۔ فرشتوں کو (منجانب اللہ) حکم ہوا کہ خواجہ سے کہو کہ یہ شخص آپ (کی تعلیم) کے خلاف زندگی بسر کرتا رہا تھا۔ خواجہ صاحب نے یہ سن کر کہا ''تم سچ کہتے ہو' لیکن اس نے (زندگی میں) میرا دامن پکڑا تھا (خود را بہ پلۂ من بستہ است)۔ خواجہ کا یہ جواب سن کر فرشتوں کو حکم ہوا کہ خواجہ کے مرید سے دستبردار ہو جاؤ' اسے خواجہ کے حوالے کر دو کیونکہ میں نے اسے خواجہ کو بخش دیا۔''

یہ طلسم ہوشربا لکھنے کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ''پس بلاشبہ پیراں شافع مریدانِ خود می شوند''۔ (ص ۱۷۵) (۵۷)

میں اس دروغِ بے فروغ پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا' صرف اتنا لکھوں گا کہ پیر وہ ہستی ہے جس کے سامنے خدا کی بھی کوئی ہستی نہیں ہے۔ اعوذ باللہ من ذٰلک الخرافات۔ اگر تصوف اسی کا نام ہے اور پیروں کا یہی کام ہے تو ایسے تصوف اور ایسے پیروں سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان

(۵۷) ترجمہ: ''اس میں کچھ شک و شبہ نہیں کہ پیر اپنے مریدوں کی شفاعت کرنے والے ہوتے ہیں۔''

بلکہ ہر انسان کو محفوظ رکھے۔ آمین یا رب العالمین !

قلندروں کے ان مکتوبات کے مطالعے سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ اس طائفے کا ہر فرد مائل بہ تشیع تھا' بلکہ تفضیلی عقائد رکھتا تھا' یہی وجہ ہے کہ دوسو صفحات کی اس کتاب میں کہیں حضرات صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کا تذکرہ نہیں ہے' حالانکہ اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرات شیخینؓ تمام صحابہ رضوان اللہ

علیہم اجمعین سے افضل ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ عبدالرحمن قلندر لاہرپوری نے مسعود علی قلندر الٰہ آبادی کو جو خط لکھا ہے اس میں صاف لفظوں میں مرقوم ہے کہ:

''ولایت نبوت سے افضل ہے' کیونکہ نبوت قید ہے اور ولایت آزادی ہے۔ چنانچہ مولوی رومی فرماتے ہیں:

کیست مولیٰ؟ آنکہ آزادت کند　　بند رقیت زپایت بر کند

زیں سبب پیغمبر با اجتہاد　　نام خویش و آں علی مولا نہاد'' (۵۸)

(ص ۱۲۹ و ۱۳۰)

چونکہ مکتوب عبدالرحمن قلندر مذکور کے اس گمراہ کن اقتباس سے اس کتاب کے پڑھنے والوں کے ذہنوں میں خلجان اور اضطراب پیدا ہونا یقینی ہے اس لیے اس باب میں رفع اشتباہ و ازالۂ ضلالت کے لیے اہل سنت کا مسلک بیان کر دینا ضروری ہے:

(۱)　تمام محققین اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ نبوت بہرحال ولایت سے افضل ہے۔

(۲)　''ولایت'' غیر قرآنی اصطلاح ہے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ ''وِلایت'' کہیں مذکور نہیں۔

(۳)　ولایت ِعلیؓ کا عقیدہ سبائیہ باطنیہ اسماعیلیہ قرامطہ کا وضع کردہ ہے۔ اسی فرقۂ ضالہ نے یہ عقیدہ بھی وضع کیا کہ الولایۃ افضل من النبوۃ۔ اور اسی طائفہ باطلہ نے یہ جملہ بعض صوفیاء کی تصانیف میں اپنی طرف سے داخل کر دیا۔ پھر صدیوں تک نقل در نقل ہوتے رہنے کی وجہ سے یہ عقیدہ بعض جاہل سُنّی صوفیوں میں خصوصاً غیر متشرع خانوادوں مثلاً شطاریہ' قلندریہ' مداریہ' روشنائیہ' رسول شاہیہ وغیرہم میں مقبول بلکہ مدار علیہ بن گیا۔ چونکہ صوفیاء بالعموم اور یہ طائفے بالخصوص علم حدیث 'علم تاریخ اور سیرۃ النبیؐ سے بیگانہ ہوتے ہیں اس لیے کسی صوفی نے زحمت ِتحقیق گوارا نہ کی اور رفتہ رفتہ جھوٹ سچ بن گیا۔

(۴) قارئین کی آگاہی کے لیے یہ وضاحت بھی کیے دیتا ہوں کہ قرآن کی رو سے ہر مؤمن

---

(۵۸) ترجمہ: ''مولیٰ کون ہے؟ وہ ہے جو تمہارے پائوں کو غلامی کی بیڑیوں سے آزادی دلائے۔ اسی لیے پیغمبرﷺ نے اجتہاد سے اپنا نام اور اس علی کا نام مولا رکھا۔''

ولی اللہ (اللہ کا دوست) ہے اور خود اللہ ہر مؤمن کا ولی (دوست) ہے۔ ولایت بمعنی دوستی ثمرہ ہے اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد اعمالِ صالحہ بجالانے کا' یہی وجہ ہے کہ عقیدۂ ولایت کا قرآن میں کہیں تذکرہ نہیں ہے

اور نہ یہ کوئی منصب ہے جو کسی فرد سے مختص کیا گیا ہو جس طرح نبوت ایک منصب ہے جو ختم نبوت سے پہلے بعض افراد کو عطا کیا جاتا تھا۔

(۵) ولایت کے لیے ''نصب'' مطلق نہیں ہے' کیونکہ یہ کوئی منصب ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ باطل پرست ''ولایتِ علیؓ'' کا عقیدۂ باطلہ وضع کریں گے اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا مقصد یہ قرار دیں گے کہ اللہ نے انہیں لوگوں سے ولایتِ علی کی بیعت لینے کے لیے مبعوث کیا تھا' اسی لیے اللہ نے سارے قرآن میں لفظ وِلایت (وائو کے زیر کے ساتھ) استعمال نہیں فرمایا' تاکہ ظلمت پرستوں کو قرآن سے کوئی سند نہ مل سکے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ مِنْ جَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

(٦) قارئین کی تسلی خاطر کے لیے وہ آیت قرآنی ذیل میں درج کرتا ہوں:

{اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُہُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ} (البقرۃ:۲۵۷)

''اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لاتے ہیں' (اس دوستی کا ثمرہ یہ ہے کہ) اللہ انہیں (کفر و شرک و بدعات کی) تاریکیوں سے نکال کر (قرآن اور ہدایت کی) روشنی میں لے آتا ہے۔''

(۷) اللہ تعالیٰ سے دوستی کرنے (درجہ ولایت پر فائز ہونے) کے لیے کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر مؤمن بلاواسطہ ولی اللہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا ولی بن جاتا ہے۔

(۸) رومیؒ کے اشعار کا وہ مطلب ہی نہیں ہے جو یہ فاضل قلندر سمجھا ہے اور نہ رومیؒ ایسی گمراہ کن بات کہہ سکتے ہیں۔ ان کی مثنوی میں اگر کوئی بات قرآن حکیم کے خلاف نظر آئے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ کسی باطنی کی کارستانی ہے یا کسی سبائی کی تدسیس ہے۔

مولانا رومی کہتے ہیں:

لیست مولا؟ آنکہ آزادت کند　　بند رقیت ز پایت بر کند

چوں بآزادی نبوت ہادی است　　مؤمناں را از انبیاء آزادی است

(دفتر ششم)

''مولا (آقا یا ہادی) کون ہے؟ وہ ہے جو تجھے (کفر و شرک کی غلامی سے) آزاد کر

دے اور غلامی کی زنجیر تیرے پائوں سے دور کر دے۔ چونکہ نبوت آزادی کی راہ دکھاتی ہے' اس لیے مؤمنوں کو انبیاءؑ کی بدولت آزادی کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔''

اب قارئین خود غور کر لیں کہ مولوی رومی کیا کہہ رہے ہیں اور یہ لاہرپوری قلندر کیا کہہ رہا ہے۔ رومی صاف لفظوں

میں کہہ رہے ہیں کہ آزادی انسان کو نبوت کی بدولت حاصل ہوتی ہے لیکن قلندر کہہ رہا ہے کہ ولایت کی بدولت حاصل ہوتی ہے' نبوت تو قید ہے!

میری رائے میں قلندر مذکور سراسر معذور ہے۔ جب قلب و نظر میں زیغ پیدا ہو جاتا ہے تو انسان ایسی ہی بہکی بہکی باتیں کیا کرتا ہے۔ یہ تو مثنوی ہے' اگر ایسا آدمی قرآن پڑھتا ہے تو اسے اس میں بھی ولایت ہی نظر آتی ہے۔

اگر قارئین میری اس تلخ گوئی کو برداشت کر لیں گے (کیونکہ سچ ہمیشہ تلخ ہوتا ہے) اور ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو وہ یقینا مجھ سے متفق ہو جائیں گے کہ آج چودھویں صدی ہجری میں اہل سنت کی اکثریت کے عقائد میں شرک و بدعت کی آمیزش کا سب سے بڑا سبب یہی غلط روایات ہیں جو صدیوں سے تصوف کی کتابوں میں راہ پا چکی ہیں اور بزرگوں سے منسوب ہو جانے کی وجہ سے شک و شبہ یا تنقید سے بالاتر ہو چکی ہیں۔

یہ شور تو ہر طرف برپا ہے اور یہ کلمہ تو ہر واعظ اور ہر خطیب کی زبان پر ہے کہ مسلمان قرآن سے بیگانہ ہو چکے ہیں' مگر یہ کوئی نہیں بتاتا کہ اس بیگانگی کے اسباب کیا ہیں! اس کی وجہ میں بتائے دیتا ہوں۔ اگر وہ ماخذ اور منبع کی نشان دہی کرنے کی غلطی کریں گے تو ان کی شہرت' عزت اور ہر دلعزیزی ایک ہی تقریر کے بعد ختم ہوجائے گی اور چند روز کے بعد ان کی دکان بند ہو جائے گی۔ جسے شک ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ لے۔ وَاللّٰہُ عَلٰی مَا اَقُوْلُ شَہِیْدٌ۔

۴) ''نظام القلوب''

''نظام القلوب'' مصنفہ شیخ نظام الدین چشتی اورنگ آبادی میں حضرت مصنف نے جہاں اور بہت سے اذکار درج کیے ہیں وہاں صفحہ ۳۰ پر یہ ذکر بھی لکھا ہے:

''ذکر پنج فرق' جانب ایمن یا محمد' جانب ایسر یا علی' جانب بالا یافاطمہ' درپیش یا حسن' در دل یا حسین''۔ (۵۹)

(۵۹) ترجمہ: ''پنج فرقی ذکر' دائیں جانب یا محمد' بائیں جانب یا علی' اوپر کی طرف یافاطمہ' سامنے یا حسن اور دل میں یا حسین۔''

یہ عاجز اس ذکر کو پڑھ کر سخت حیران ہوا کہ شاہ صاحب نے یہ ذکر کیسے درج کردیا۔ یہ تو سراسر خلافِ ارشادِ خداوندی ہے' اس لیے ناجائز بھی ہے اور شرک بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ذکر کو اپنی ذات سے مختص فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

{وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿ ۱۰ ﴾} (الجمعۃ)

''اور اللہ کا ذکر بکثرت کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

پورا قرآن حکیم ذکر اللہ کی تاکید و تلقین سے بھرا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی جگہ بھی غیر اللہ کے ذکر کا حکم نہیں دیا ہے' کیونکہ غیر اللہ میں تو کسی قسم کی طاقت یا قوت نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

{وَ لَا تَدۡعُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنۡفَعُکَ وَ لَا یَضُرُّکَ ۚ فَاِنۡ فَعَلۡتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۰۶﴾ وَ اِنۡ یَّمۡسَسۡکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗۤ اِلَّا ہُوَ ۚ وَ اِنۡ یُّرِدۡکَ بِخَیۡرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِہٖ ؕ یُصِیۡبُ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ ؕ وَ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۰۷﴾} (یونس)

''(اے انسان!) اللہ کے سوا کسی کو مت پکار جو نہ تجھے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ پس اگر تو غیر اللہ کو پکارے گا تو اسی وقت ظالموں میں سے ہو جائے گا۔ اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں گرفتار کر دے تو اللہ کے سوا کوئی انسان اس مصیبت کو دور نہیں کر سکتا' اور اگر اللہ تیرے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو کوئی انسان اس کے فضل کو رد نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے بھلائی پہنچاتا ہے' اور وہ غفور اور رحیم ہے۔''

سارا قرآن شرک کی مذمت اور توحید کی تلقین سے بھرا پڑا ہے۔ کلمہ طیبہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ پہلے غیر اللہ کی نفی کرو' پھر اللہ کا اثبات کرو۔ غیر اللہ میں کوئی قدرت یا طاقت نہیںہے۔ چنانچہ اکبر الٰہ آبادی لکھتے ہیں:

جو غیر خدا کو مانتا ہو قادر اکبر بخدا کہ وہ مسلمان ہی نہیں!

تصوف تو نام ہی ہے لوحِ دل سے نقشِ غیر کو مٹانے کا۔ جو تصوف غیر اللہ کے نام کو دل میں جاگزیں کرنے کی ہدایت کرتا ہے وہ تصوف نہیں ہے' بلکہ سراسر گمراہی اور ضلالت ہے۔ یہ ذکر پنج فرقی وہی تلقین کر سکتا ہے جو غیر اللہ کو قادر یقین کرتا ہو' یعنی مشرک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے کا بھی حکم نہیں دیا تو دوسرے افراد کس شمار میں ہیں!

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ شاہ صاحب نے یہ ذکر' جو دراصل شرک ہے' کس طرح اپنی

تصنیف میں درج کر دیا۔ اس ذکر کی سند قرآن کے علاوہ کسی حدیث سے بھی نہیں مل سکتی۔ اور مل بھی کیسے سکتی ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے خلاف کوئی حکم کیسے دے سکتے ہیں!

میں پورے یقین کے ساتھ لکھتا ہوں کہ غیر اللہ کے ذکر سے دل میں نور کے بجائے ظلمت پیدا ہو گی اور ذکر اطمینانِ قلب سے محروم ہو جائے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

{اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ﴿۲۸﴾} (الرعد)

''آگاہ ہو جائو کہ قلوب صرف ذکر اللہ سے اطمینان (سکون) حاصل کر سکتے ہیں۔''

۵) ''حقائق و معارف القدر''

سید سلامت علی شاہ قادری کی تصنیف موسومہ ''حقائق و معارف القدر'' کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قادری، سہروردی اور چشتی، ان تینوں سلسلوں کے اکثر و بیشتر افراد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصی نبی یقین کرتے ہیں، حالانکہ یہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقائد کے سراسر خلاف ہے کہ حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے وصی تھے۔ یہ عقیدہ تو عبداللہ بن سبا بانیٔ فرقہ ضالہ سبائیہ کی ایجاد ہے اور سبائیت کی تمام شاخوں کا اور ان سے جس قدر فرقے نکلے، سب کا سنگ بنیاد ہے، بلکہ اہل سنت اور سبائیت کے درمیان مابہ الامتیاز ہے۔ جو سُنّی صوفی خواہ چشتی ہو یا قادری، یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت علیؓ وصی رسول ﷺ تھے، وہ دوسرے لفظوں میں تینوں خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ''غاصب'' تسلیم کرتا ہے، خواہ وہ مصلحتاً یا تقیۃً زبان سے اس کا اقرار کرے یا نہ کرے۔

چنانچہ مذکورہ بالا کتاب کا جاہل مصنف آغازِ کتاب میں لکھتا ہے:

''ہدیہ سلام علی دریائے ولایت علی ولی وصی نبی ... الخ''

اس کے بعد لکھتا ہے:

"وعلٰی ذریۃ الحسن والحسین ... الخ"

صفحہ ٦ پر یہ رباعی لکھی ہے:

یا رب برسالت رسول الثقلین　　یا رب بغزا کنندۂ بدر و حنین
عصیانِ مرا دو حصّہ کن در عرصات　　نیمے بحسن بخش و نیمے بحسین (٦٠)

---

(٦٠) ترجمہ: ''یارب! دوجہاں کے رسول ﷺ کی رسالت کے طفیل، یارب! صاحب غزوۂ بدر و حنین کے طفیل، قیامت کے روز میرے گناہوں کے دو حصے کر دینا۔ آدھا (ایک حصہ) حسنؓ کے طفیل بخش دینا اور آدھا (دوسرا حصہ) حسینؓ کے طفیل (بخش دینا)۔''

پوری کتاب میں حضرات شیخینؓ کا کہیں ذکر نہیں ہے، ان پر ہدیۂ سلام بھیجنا تو خارج از بحثہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص کے اسلوبِ نگارش اور ایک سبائی کے اسلوب میں کیا فرق پایا جاتا ہے؟ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتا ہے اور انہیں وصی قرار دیتا ہے۔

اس نام نہاد سُنّی قادری نے بھی رسول اللہ ﷺ کے بعد یک لخت حضرت علیؓ کا ذکر کیا ہے اور انہیں وصی قرار دیا ہے۔

اس کتاب کی دوسری جلد میں صفحہ ۱۳۷ پر یہ غیر اسلامی عقیدہ درج ہے:

''معدن الجواہر میں ایک روایت نقل کی گئی ہے (٦١) کہ مقتدائے زماں امین خاں سے منقول ہے کہ ایک رات میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ حضرت قطبی ابوالفتح شاہ شمس الدین شیخ محمد شریف قادری ملتانی کو دیکھا کہ دایاں ہاتھ بند کیے ہوئے میرے سامنے کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میری ہتھیلی کو دیکھ۔ جب میں نے ایسا کیا تو پوچھا: کیا دیکھا؟ میں نے کہا: محمد ﷺ کو۔ فرمایا: اب پھر دیکھ۔ میں نے پھر ہتھیلی کی طرف دیکھا۔ پوچھا: اب کسے دیکھا؟ میں نے کہا علیؓ کو۔ فرمایا: پھر دیکھ۔ میں نے پھر دیکھا۔ فرمایا: چہ دیدی؟ (کیا دیکھا یا کسے دیکھا؟) میں نے کہا: عبدالقادر جیلانیؒ کو۔ فرمایا: تجھ پر لازم ہے کہ کبھی ان تینوں میں فرق نہ کرنا۔ محمد ﷺ، علیؓ اور عبدالقادرؒ، یہ تینوں بظاہر تین وجود نظر آتے ہیں مگر باطناً (باعتبار باطن) ایک وجود ہیں اور معیت تامہ رکھتے ہیں۔ مبارک ہے وہ جو یہ اعتقاد رکھے اور ناقص ہے وہ جو اس کے خلاف (ان کو تین) سمجھے... شاہ نعمت اللہ کرمانی (شیعہ صوفی) نے بھی اپنے اس شعر میں اسی معنی کو واضح فرمایا ہے:

مصطفیٰ را مرتضیٰ دان، مرتضیٰ را مصطفیٰ
خاک در چشمِ دوبینان دغا باید زدن (٦٢)

یہ روایت مذکورہ بالا (کہ تینوں ایک ہیں) ان احادیث مندرجہ ذیل کی روشنی میں معیت تامہ پر دلالت کرتی ہے:

(ا) لَحْمُکَ لَحْمِیْ وَدَمُکَ دَمِیْ

''تیرا گوشت میرا گوشت ہے اور تیرا خون میرا خون ہے۔''

---

(٦١) اس نام کی ایک کتاب شیخ عطار سے بھی منسوب ہے مگر یہ وہ نہیں ہے بلکہ یہ کسی ہندی باطنی کی تصنیف کثیف ہے۔

(٦٢) ترجمہ: ''مصطفی ﷺ کو مرتضیٰ جان، مرتضیٰ کو مصطفی۔ دو علیحدہ علیحدہ دیکھنے والے کی آنکھوں میں خاک جو دھوکہ کھاتی ہیں۔''

(ب) اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ

''میں اور علی ایک ہی نور سے (مخلوق) ہیں۔''

(ج) اَنَا اَنْتَ وَاَنْتَ اَنَا یَا عَلِیْ

''اے علی میں تو ہوں اور تو میں ہے۔'' (انتہیٰ بالفاظہ' ص ۳۳۸' ج دوم)

یہ روایت تو میںنے دل پر جبر کر کے نقل کر دی ہے' اب اس پر تنقید کرنے کے لیے فولاد کا جگر کہاں سے لائوں؟ اگر قطبی ملتانی زندہ ہوتے تو ان سے عرض کرتا کہ: یا حضرت ! اس عقیدے میں اور نصاریٰ کے عقیدے میں کیا فرق ہے؟ وہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ باپ' بیٹا اور روح قدس اگرچہ ظاہراً تین ہیں مگر باطناً ایک ہیں۔

عجیب بات ہے کہ اللہ تو یہ فرمائے کہ جو یہ عقیدہ رکھے وہ کافر ہے: {لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ} اور آپ یہ کہیں کہ جو یہ عقیدہ رکھے وہ بہت مبارک ہے !

دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ مزعومہ احادیث جن سے آپ نے معیت نامہ پر استدلال کیا ہے' اہل سنت کی مسلمہ و متداولہ کتب احادیث میں سے کون سی کتاب میں مندرج ہیں؟ یا ان کی سند کیا ہے؟ یہ عاجز بڑے ادب مگر بڑے وثوق کے ساتھ یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہے کہ انہی روایات کا کرشمہ ہے کہ آج چودھویں صدی ہجری میں حیدر آباد دکن' گلبرگہ' اورنگ آباد' پیران کلیر' بریلی' بدایوں' دہلی' اجمیر' دیوہ' ردولی' کچھوچھہ' ماہریرہ' لاہور' پاک پتن' ملتان' اُچ' جلالپور پیر والا' سیہوان' درازہ' حجرہ شاہ مقیم اور بھٹ شاہ کے اکثر مزارات سبائیت اور باطنیت کے فروغ و شیوع کے مرکز بن گئے ہیں۔

نیز یہ مسکین بتصمیم قلب اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس دورِ عقلیت میں اگر دین اسلام سے واقف مسلمان تصوف اور صوفیوں سے بدظن نظر آتے ہیں اور تصوف کو ''بے راہ روی'' سے تعبیر کرتے ہیں تو حق بجانب ایشان است۔ کیونکہ انہیں نہ اس کی ضرورت ہے نہ فرصت ہے کہ وہ اس عاجز کی طرح قوتِ لایموت اور رزق ما یحتاج پر قناعت کر کے بیس بائیس سال تک گوشہ میں بیٹھ کر تیسری صدی ہجری سے لے کر تاعصر حاضر تصوف کی تمام کتابوں کو کھنگالیں اور کھوٹے کو کھرے سے جدا کریں اور اس کے صلے میں غیروں کی گالیاں اور اپنوں کے طعنے سنیں۔

الحمد للہ کہ یہ عاصی و کم سواد قرآن و حدیث کے مطالعے کی بدولت اس حقیقت سے آگاہ ہو چکا ہے کہ تصوف شرعی اصطلاح میں احسان کا معروف نام ہے (اگرچہ بدنام ہو چکا ہے)

اور دراصل عبارت ہے تزکیہ نفس سے جو مقصودِ حیات بھی ہے اور بعثت نبویؐ کی غایت بھی ہے۔ اس لیے یہ طریق درہمہ حال' مقید بالکتاب اور مشید بالسنہ رہنا چاہیے۔ اس لیے تینوں کو ایک سمجھنا نصرانیت یا باطنیت کی تعلیم تو ہو سکتی ہے' اسلام کی تعلیم ہرگز نہیں ہو سکتی ۔اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ھٰذِہِ الْخُرَافَاتِ۔

٦)پیروانِ ابن سباء کا سب سے بڑا ظلم

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنی ذات کو مؤمنوں کی محبت کا مرکز قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: {وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ}''جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں (ان کی شناخت یہ ہے کہ) وہ اللہ کی محبت میں بغایت شدید ہوتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو مرکزِ محبت ِمؤمنین اس لیے بنایا ہے کہ وہ اپنی جانیں اور اپنے اموال اللہ کی راہ میں قربان کرسکیں' کیونکہ انسان کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب پر اپنی جان اور اپنا مال بخوشی قربان کر دیتا ہے۔ صحابہؓ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جو افضلیت حاصل ہے اس کا سب سے بڑا سبب یہی بذلِ اموال فی سبیل اللہ ہے۔ چنانچہ کوئی صحابی اس وصف خاص میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہمسر نہیں ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت اس پر شاہد ہے:

{وَ سَیُجَنَّبُہَا الْاَتْقَی ﴿۱۷﴾ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی ﴿۱۸﴾ } (الیل)

''اور یقینا (اس آگ سے وہ) سب سے بڑا پرہیزگار (متقی) دور رکھا جائے گا جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے تاکہ وہ پاک ہو جائے۔''

یہ آیت جیسا کہ تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے' اس لیے ''اَتقٰی'' (سب سے بڑا متقی) کا مصداق صدیق اکبرؓ ہیں۔

اب اس آیت پر غور کرو: {اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ}''بلاشبہ اللہ کی بارگاہ میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ مکرم (افضل) وہ ہے جو تم لوگوں میں سب سے بڑا متقی ہے''۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ معزز ہیں۔ اس لیے تمام مفسرین' محدثین' فقہاء اور متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ صدیق اکبرؓ افضل الصحابہ اور اس لیے انبیاء کے بعد افضل الناس ہیں' رضی اللہ عنہ۔

پیروانِ ابن سبا نے مسلمانوں پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ اللہ کے بجائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی محبت کا مرکزبنا دیا اور اس مقصد کے لیے بہت سی روایتیں وضع کی گئیں۔ ان میں سے

ایک ذیل میں درج کی جاتی ہے:

قاضی نور اللہ شوستری (مقتول بحکم جہانگیر در۱۰۱۹ھ) نے اپنی مشہور تصنیف 'احقاق الحق' جلد ہفتم 'صفحہ ۱۵۲ میں یہ روایت درج کی ہے:

اذا سمعتُ النداء من قبل اللہ یا محمد من تحب ان یکون معک فی الارض؟ فقلتُ احب من یحبہ العزیز الجبار ویأمر بمحبتہ۔ فسمعتُ النداء من قبل اللہ یا محمد أحب علیّا فانی احبہ واحب من یحبہ۔ فبکی جبریل وقال: لو ان اھل الارض یحبون علیا کما تحبہ اھل السماء ما خلق اللہ النار

''آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ (شب معراج میں) اللہ کے سامنے یہ ندا سنی گئی کہ اے محمدؐ تو کس سے محبت کرتا ہے کہ وہ دنیا میں تیرا رفیق ہو؟ میں نے کہا: میں اس سے محبت کروں گا جس سے العزیز الجبار (خدا) محبت کرتا ہے اور اس کی محبت کا مجھے حکم دے۔ پس میں نے اللہ کے سامنے یہ ندا سنی کہ یا محمدؐ تو علی سے محبت کر، کیونکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور جو شخص اس سے محبت کرے اس سے (بھی) محبت کرتا ہوں۔ یہ سن کر جبریل رونے لگا اور کہا کہ اگر اہل زمین بھی علیؓ سے ایسی محبت کرتے جیسے کہ اہل آسمان اس سے محبت کرتے ہیں تو اللہ دوزخ کو پیدا ہی نہ کرتا۔'' (ختم شد لفظی ترجمہ)

فرقہ سبائیہ نے یہ روایت وضع کی اور ان کے جانشینوں یعنی باطنیہ نے صوفیوں کا لبادہ پہن کر اس روایت کو سُنّیوں کے دماغوں میں جاگزیں کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی اکثریت ایزد پرستی کے بجائے شخصیت پرستی میں مبتلا ہو گئی اور اللہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بجائے ایک شخص کو اپنی محبت کا مرکز بنا لیا۔ چنانچہ شاہ تراب علی قلندر کاکوروی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''حُبّ حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ در خمیرِ ماست کہ ہم از اولادِ آنحضرت ایم وہم سلسلہ مشائخ ما بآنحضرت می رسد چگونہ مرا حب آں جناب نباشد؟ شما در تعصب مذاہب گرفتار نباشند۔ آنچہ مذہب حنفیہ است براں باشند۔'' (تعلیمات قلندریہ، صفحہ ۱۷۷) (۶۳)

شاہ صاحب کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ حب علی ان کا خمیر ہے۔ اب معمولی عقل والا بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ انسان جسے محبوب رکھتا ہے اسی کو سب انسانوں میں افضل اور اعلیٰ اور برتر یقین کرتا ہے۔ یہ عقلاً ناممکن ہے کہ ایک شخص محبوب تو رکھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اور افضل یقین کرے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو۔ پس جو شخص فی الجملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتا ہے وہ اہل سنت والجماعت کے دائرے سے باہر ہے، کیونکہ تشیع اور تسنن میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ شیعہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہیں اور سُنّی حضرات حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی مشہور اور مستند تصنیف ''تکمیل الایمان شرح عقائد نسفی'' میں یوں رقم طراز ہیں:

والخلفاء الاربعۃ افضل الاصحاب وفضلھم علی ترتیب الخلافۃ

''چاروں خلفاء تمام صحابہؓ سے افضل ہیں اور ان چار کی بزرگی ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے۔''

یعنی پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ' پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ' پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ (اردو ترجمہ تکمیل الایمان ' صفحہ ٦٨)

باز آمدم برسر مطلب۔ شوستری نے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ایک شخص سے محبت کرتا ہے ' حالانکہ قرآن حکیم ناطق بالصواب ہے کہ {اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ صَفًّا کَاَنَّہُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ ﴿۴﴾} (الصف) ''بلاشبہ اللہ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے جو قتال کرتے ہیں اس کی راہ میں صف باندھ کر گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔''

اب مسلمانوں کو اختیار ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو تسلیم کریں یا شوستری کی نقل کردہ روایت کو۔ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا ' ہاں اقبال کے مرشدِ معنوی حضرت اکبر الٰہ آبادی مرحوم کی ایک رباعی نقل کیے دیتا ہوں جو ایک مقالے سے بھی زیادہ مؤثر ہے:

سر رشتۂ اتحاد ہم سے چھوٹا　　آپس ہی کی خانہ جنگیوں نے لوٹا
قرآن کے اثر کو روک دینے کے لیے　　ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

ایک شعر مرید کا بھی درج کیے دیتا ہوں:

حقیقت خرافات میں کھو گئی　　یہ اُمت روایات میں کھو گئی

٧) ''جوامع الکلم'' از گیسو دراز

سید محمد گیسو دراز (٦٤) جن کا مزار گلبرگہ (دکن) میں ہے ' اپنی مشہور تصنیف ''جوامع الکلم'' میں لکھتے ہیں:

''خلافتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بردو گونہ است ' یکے خلافتِ صغریٰ کہ مراد از خلافتِ ظاہری است۔ دوم خلافت کبریٰ کہ مراد از خلافتِ باطنی است و مخصوص بحضرت علیؓ است۔'' (٦٥)

اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ سید صاحب نے یہ تقسیم کس بنیاد پر کی ہے۔ قرآن حکیم یا کسی صحیح حدیث سے تو اس کی تائید ہرگز نہیں ہوتی۔ قرآن میں تو صرف ایک ہی قسم کی خلافت کا ذکر ہے:

{وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ۪ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَہُمۡ دِیۡنَہُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَہُمۡ وَ لَیُبَدِّلَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِہِمۡ اَمۡنًا ؕ} (النور:٥٥)

''(صحابہ کرامؓ سے خطاب ہے) اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ انہیں ضرور ملک کی حکومت عطا کرے گا (خلیفہ بنائے گا زمین میں) جیسا کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی اور ان کے لیے جس دین کو اس نے پسند کیا ہے ضرور مستحکم کر دے گا اور یقینا ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔''

جیسا کہ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے' یہ تینوں وعدے حضرات شیخینؓ کے مبارک عہد میں پورے ہو گئے۔ اس خلافت ارضی کے علاوہ قرآن حکیم میں نہ صغریٰ کا ذکر ہے نہ کبریٰ کا اور نہ ظاہری کا بیان ہے نہ باطنی کا۔ جیساکہ اہل علم جانتے ہیں ''باطنیت'' کا تصور صحابہ کے زمانے میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ یہ توسبائیہ 'اسماعیلیہ 'قرامطہ' باطنیہ کے دماغوں کی اپج ہے اوراسی لیے

(٦٤) گولکنڈے کا آخری شیعہ بادشاہ ابوالحسن المعروف بہ تانا شاہ' شاہ راجو قتال کا نہایت مخلص مرید تھا جو گیسودراز کی اولاد میں سے تھے۔ چونکہ کوئی شیعہ بقائمی ہوش وحواس کسی سُنّی کا مرید نہیں ہوسکتا اس لیے راجو قتال کے شیعہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور گیسودراز کا مذہب ان کی مذکورہ بالا تقسیم سے ظاہر ہے۔

(٦٥) ''آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی خلافت دوگونہ ہے 'ایک خلافت صغریٰ ہے جس سے مراد ظاہری خلافت ہے 'دوسری خلافت کبریٰ جس سے باطنی خلافت مراد ہے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہکے ساتھ مخصوص ہے۔''

انہیں باطنیہ کہتے ہیں۔ سید گیسودراز بھی انہی باطنیہ کے ہمنوا نظر آتے ہیں۔ اور مجھے اس فصل میں یہی دکھانا ہے کہ باطنیہ کے عقائد اکثر سنی صوفیوں کے دل و دماغ میں راسخ ہو چکے ہیں۔

٨) علم الاعداد اور تعویذ کی ایجاد

چونکہ باطنیہ کے تمام بنیادی عقائد (basic doctrines) قرآنی تعلیمات کے خلاف ہیں اس لیے انہوں نے سب سے زیادہ توجہ اس بات پر مبذول کی کہ جس طرح ہو سکے اہل سنت کو قرآن سے بیگانہ بنا دیا جائے' تاکہ وہ غیر قرآنی عقائد کو قبول کر سکیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ تصوف کا لباس زیب تن کیا(٦٦) اور صوفی بن کر اپنے عقائد عوام اہل سنت میں شائع کر دیے۔ دوسرا کام یہ کیا کہ علم الاعداد ایجاد کر کے

(٦٦)اگرچہ اس کے شواہد قبل ازیں پیش کر چکا ہوں تاہم ایک شاہد اور پیش کیے دیتا ہوں: ''رسالہ در حقیقت دین'' مصنف شہاب الدین شاہ ولد علی شاہ (باطنیہ نزاریہ شاخ کا ٤٧ واں امام) کے دیباچے میں پروفیسر آئی وے ناف لکھتا ہے:

''یہ بات بخوبی مشہور ہے کہ فرقہ اسماعیلیہ نے ایران میں مجبوراً اپنی تصانیف کو فلسفہ تصوف کے لباس میں مخفی کیا اور بلاشبہ فلسفہ اسماعیلیت اور فلسفہ تصوف میں بہت سے امور مشترک ہیں۔''

یہ رسالہ فارسی میں ہے' آئی وے ناف نے اس کا دیباچہ انگریزی میں لکھا ہے۔ ۱۹۳۳ء میں بمبئی سے شائع ہوا تھا۔ میں قصداً اس رسالے سے تین اقتباسات ذیل میں درج کرتا ہوں تاکہ میرا دعویٰ ثابت ہو سکے کہ باطنیہ نے تصوف کے پردے یا لباس میں اپنے عقائد کی اشاعت کی اور سُنّی صوفیوں نے ان کے عقائد کو دانستہ یا نادانستہ طور پر اختیار کر کے اسلامی تصوف کو کفر و اسلام کا ملغوبہ بنا دیا اور اب غیر اسلامی عقائد کو تصوف سے خارج کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ گوشت کو ناخن سے جدا کرنا۔

''(الف) فصل پنجم در معرفت : در حدیثِ قدسی می فرماید: ''اے محمد! اگر تو نبودے آسمانہا را خلقت نمی کردم''۔ ودر جائے دیگر است: '' اگر علی نبودے ترا خلقت نمی کردم''۔ از آیت چناں معلوم می شود کہ ''اگر رسول' ولایت اورا ظاہر نمی ساخت رسالت ناقص بود۔ پس ایں ہم اسباب آفرینش و ارسالِ رُسل و انزالِ کتب برائے شناختنِ او (علیؓ) بود۔'' (ص ۱۳)

(الف) فصل پنجم معرفت کے بیان میں : حدیث قدسی میں فرمایا گیا: ''اے محمد! اگر تم نہ ہوتے تو میں آسمان پیدا نہ کرتا۔'' اور دوسری جگہ ہے : ''اگر علی نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا''۔ اس آیت سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ ''اگر رسول اس کی ولایت >>

اسے حضرت علیؓ سے منسوب کر دیا۔ ہر عدد کو خاص تاثیر کا حامل قرار دیا اور تعویذ و طلسم لکھ کر عوام میں تقسیم کرنا شروع کیے۔ اس طرح عوام اُن کے معتقد ہو گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات کے نقوش مرتب کیے اور ان سے غیر معمولی فوائد منسوب کر دیے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد تصوف اور تعویذ لازم و ملزوم ہو گئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآنی آیات پر عمل کرتے تھے اور ان باطنی صوفیوں کے زیر اثر آکر مسلمانوں نے قرآنی آیات کو لکھ کر گلے میں ڈالنا شروع کر دیا۔

جو قرآن مجید تہران سے ۱۳۳۷ء خورشیدی میں شائع ہوا ہے اس میں بہت سے نقوش بھی درج کیے گئے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۱۰۸ پر یہ عبارت مرقوم ہے :

"نقل است از خاتم المجتہدین شیخ بہاؤالدّین عاملی کہ ہر کہ در عمر خود یک بار بر ایں شکل نظر کند آتشِ دوزخ بر وے حرام گردد۔" (٦٧)

وہ شکل یہ ہے

میں نے افادۂ عام کے لیے یہ شکل بجنسہٖ نقل کر دی ہے۔ اس نوعیت کے نقوش اس

ظاہر نہ کرتا تو رسالت ناقص رہتی۔ پس تخلیق کے یہ اسباب اور رسولوں کا بھیجنا اور کتابیں نازل کرنا اس (علی) کی

پہچان کے لیے تھا۔''

(ب) ''اے جلوۂ حق ! چہ طور آشکارا شدی کہ ہمہ فکرہا در تو متحیر ماندند۔ خوشا جمالِ ازل خویش راپنہاں ساختی و ایں طور آشکارا شدی کہ جمع خدایت خواندند''۔ (ص ۲۱)

(ب) ''اے جلوۂ حق ! تو کس طرح ظاہر ہوا کہ تمام فکر تیرے اندر متحیر ہیں۔ کیا خوب ! تو نے اپنے ازلی جمال کو پوشیدہ رکھا اور ظاہر اس طرح ہوا کہ لوگ تجھے خدا کہنے لگے۔''

(ج) ''محمد و علی ہر دو یک نور بودند... درمیان مردم بدو لباس جلوہ نمودند''۔ (ص۲۴)

(ج) ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور علی (رضی اللہ عنہ) دونوں ایک ہی نور تھے۔ لوگوں کے درمیان دو لباسوں (جسموں) میں جلوہ نما ہوئے۔''

(٦٧) ترجمہ : ''خاتم المجتہدین شیخ بہاء الدین عاملی سے منقول ہے کہ جو کوئی عمر بھر میں ایک دفعہ اس شکل پر نظر ڈال لے اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دی گئی ہے۔''

قرآن کے صفحہ ۱۰۲ سے صفحہ ۱۱۰ تک کثیر تعداد میں درج کیے گئے ہیں۔ میں اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب نقش مرقومہ بالا کے صرف ایک مرتبہ دیکھ لینے سے دوزخ حرام ہو جائے گی تو قرآن مجید کی تلاوت یا اس کے سمجھنے کی کیا ضرورت باقی رہ گئی !

رفتہ رفتہ مسلمان اس طلسم میں گرفتار ہو گئے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک کتاب نظر سے گزری جس کا نام ''دار النّظیم'' ہے۔ یہ کتاب امام الفن عبداللہ بن یافعی الیمنی کی تصنیف ہے اور مطبع نول کشور لکھنؤ سے ۱۸۸۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں صفحہ ٦١ پر ''اسم اعظم'' بایں صورت مرقوم ہے:

اس کے ساتھ ایک نظم بھی لکھی ہے جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب کر دیا ہے۔ صفحہ ۱۲٦ پر بضمن خواص سورۂ نور یہ عبارت مرقوم ہے، جسے میں بجنسہٖ نقل کیے دیتا ہوں:

''من کتبہا وجعلہا فی فراشہ الذی ینام فیہ لم یحتلم ابدا وان

کتبت بماء زمزم وشربہا انقطع عنہ شہوۃ الجماع وان جامع لم

یجد لذتہ'' (٦٨)

غالباً یہ مصرعہ انیس کا ہے ع ''دل صاحب اولاد سے انصاف طلب ہے''۔ میں اس میں قدرے تغیر کر کے کہتا ہوں

ے

دل صاحب ایمان سے انصاف طلب ہے
قرآن سے یہ دل لگی ! اُف کیسا غضب ہے

قرآن حکیم پر یہ ظلم تو شاید کافروں نے بھی نہیں کیا ہو گا جو اس ''امام الفن'' نے کیا۔ بہرحال باطنی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ آج مسلمانوں میں قرآن کی جو حیثیت رہ گئی ہے اسے اقبال کے لفظوں میں بیان کرتا ہوں ؎ _____(٦٨)ترجمہ:''جس نے اس کو لکھا اور اپنے بستر میں رکھ دیا جس میں وہ سوتا ہے ‘اسے کبھی احتلام نہ ہوگا ‘اور اگر زم زم کے پانی کے ساتھ لکھا جائے اور وہ پانی پیا جائے تو اس سے جماع کی صلاحیت جاتی رہے ‘اور اگر جماع کرے بھی تو اس کی لذت نہ پائے۔''

بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یٰسینِ او آساں بمیری (٦٩)

٩) بظاہر سُنّی باطن شیعہ

شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی سلسلہ چشتیہ کے مشہور مشائخ میں سے ہیں‘ لیکن انہوں نے اپنے دیوان میں جو مناجات لکھی ہے اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''وصی نبی'' تسلیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بحق دوازدہ ائمہ شیعہ التجا کی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ شیخ جیلانیؒ کو بھی واسطہ بنایا ہے مگر افضل الاولیاء و الائمہ بلکہ افضل الصحابہؓ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کہیں تذکرہ نہیں کیا ہے۔ پوری مناجات تو بخوفِ طوالت نقل نہیں کرسکتا‘ صرف ایک شعر درج کرتا ہوں ؎

بحقّ امامِ علیؓ مرتضٰی
وصیّ نبی و ولیّ خدا (٧٠)

شاہ صاحب چونکہ عالم دین تھے اس لیے یہ حقیقت ان سے مخفی نہیں ہو سکتی تھی کہ اہل سنت اور اہل تشیع میں یہ عقیدہ (کہ علی وصی نبی تھے) مابہ النزاع بھی ہے اور مابہ الامتیاز بھی ہے۔ تمام اہل سنت کا اجماعی عقیدہ یہ

ہے کہ حضور انور ﷺ نے کسی کو اپنا وصی مقرر نہیں کیا، مگر شاہ صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صاف لفظوں میں وصی نبی تسلیم کر رہے ہیں۔ بلکہ ایک غزل میں بھی اپنے اسی عقیدے کا اظہار کیا ہے ؎

ولیٔ حق وصی مصطفیٰ دریائے فیضانے
امامِ دو جہانے قبلۂ دینے و ایمانے(۷۱)

اندریں حالات اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ شاہ صاحب بظاہر سنی تھے، مگر باطن شیعہ تھے، کیونکہ مناجات درکنار، انہوں نے اپنے پورے دیوان میں کسی جگہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے! ہمارے زمانے میں بھی_____

(۶۹) ترجمہ: ''اس (قرآن) کی آیات سے تجھے اس کے علاوہ اور کوئی سروکار نہیں ہے کہ اس کی سورۂ ''یٰسین'' پڑھنے سے تیری موت آسانی سے واقع ہوجاتی ہے۔''
(۷۰) ترجمہ: ''امام علیؓ مرتضیٰ کے طفیل جو نبی ﷺ کے جانشین (وصی) اور خدا کے ولی ہیں۔''
(۷۱) ترجمہ: ''(حضرت علیؓ) حق کے ولی، محمد مصطفیٰ ﷺ کے وصی، فیض کے دریا، دوجہان کے امام، دین اور ایمان کے قبلہ ہیں۔''

ایسے لوگ موجود ہیں جو بظاہر سنی ہیں مگر حضرات عثمان غنی، عمرو بن العاص اور معاویہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تنقیص و توہین و تحقیر میں شیعہ حضرات کے ہمنوا بھی ہیں اور اس ہمنوائی پر اصرار بھی کرتے ہیں۔
۱۰) ''موضوعات'' سے چند اقتباسات
یہ مضمون چونکہ بہت طویل ہو چکا ہے اس لیے دیگر کتب مثلاً گلزارِ صابری، مناقب المحبوبین، سبع سنابل، تذکرۃ الاولیائ، سید الاقطاب، مرأۃ الاسرار، جامع السلاسل، حبیب السیر، شواہد النبوت، روضۃ الصفا، مقصدِ اقصیٰ، تحفۃ الراغبین، بہجۃ الاسرار، زبدۃ الحقائق اور جوامع الکلم وغیرہم میں جو غلط روایات درج ہیں ان کی تفصیل

سے قلم کو روکتا ہوں۔ ان کتابوں کی اکثر روایات بالکل غلط ہیں اور اکثر روایات بہت ہی ضعیف اور ناقابل اعتبار ہیں۔ کسی روایت کی سندیان نہیں کی گئی ہے۔ صرف ''منقول است'' کے نسخہ مجرب پر عمل کیا گیا ہے۔

آخر میں ملا علی قاریؒ کی مشہور کتاب ''موضوعات'' سے چند اقتباسات درج کر کے اس موضوع کو ختم کرتا ہوں۔

(ا) سیرۃ النبیؐ کا اوّلین مصنف ابن اسحاق چونکہ شیعہ تھا اس لیے ... اس نے اکثر ایسی روایتیں بھی درج کر دیں جن سے اس کے مذہب کی تائید ہو سکے۔ مثلاً خیبر کا دروازہ اکھیڑنے کی روایت۔

(ب) ''کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا'' الخ حدیث نہیں ہے (۷۲)

(ج) تاریخوں میں خلیفہ منتخب ہونے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خطبہ نہ دے سکنے کی روایت بھی غلط ہے۔

(د) ''کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْءٌ'' یہ بھی حدیث نہیں ہے۔

(ھ) ائمۃ الحدیث کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حسن بصریؒ کی ملاقات اور تحصیل علم ثابت نہیں ہے:

فانّ ائمۃ الحدیث لم یثبتوا الحسن والبصری من علی سماعا (ص ۲،۳)

(و) خرقہ صوفیہ والی روایت کہ خدا تعالیٰ نے معراج میں آنحضرت ﷺ کو ایک خرقہ عطا کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ جو صحابی اس کا حق ادا کر سکے اسے پہنا دینا' آنحضرت ﷺ نے

(۷۲) اکثر صوفیاء اسے حدیث سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفی' شاعر اور عاشق بالعموم محدث نہیں ہوتے۔

حضرات صدیق اکبرؓ' فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ سے فرداً فرداً سوال کیا کہ: اگر یہ خرقہ تم کو دوں تو کیا کرو گے؟ ان کے جوابات سے آپ ﷺ مطمئن نہ ہو سکے لیکن حضرت علیؓ کے جواب سے مطمئن ہو گئے کہ واقعی تم اس کا حق ادا کر سکو گے۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ یہ روایت بالکل غلط ہے اور معاندین صحابہؓ کی وضع کردہ ہے۔

(ز) یہ روایت کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز قضا ہو گئی تھی' اس لیے آنحضرت ﷺ نے آفتاب کو حکم دیا کہ غروب ہونے کے بجائے رجعت کر اور عصر کے وقت پر قائم ہو' تاکہ وہ نماز عصر وقت پر ادا کر سکیں' یہ بھی غلط ہے۔ (۷۳)

(ح) یہ روایت کہ حجۃ الوداع کے بعد آنحضرت ﷺ نے مجمع عام میں فرمایا کہ ''علیؓ میرا وصی ہے'' قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔

(ط) یہ روایت کہ آنحضرت ﷺ نے اُمّ المؤمنین سیدۃ نساء العالمین حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ ''علیؓ کے خلاف خروج مت کرنا'' پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ

عائشہ خروج کرے تو تم ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا ' سراسر کذب اَور اِفتراء ہے اور اُمّ المؤمنین ؓ کے دشمنوں کی وضع کردہ ہے۔

(ی) یہ روایت کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ اسرار اور باطنی علوم سکھائے تھے جو دوسرے صحابہ کو نہیں سکھائے' بالکل غلط ہے۔ (۷۴)

ملا علی قاری ؒ کے اس قول پر کہ ''روافض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں صرف تین لاکھ روایتیں وضع کی تھیں'' اس اقتباس کو ختم کرتا ہوں۔

---

(۷۳) یہ عاجز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عزت ملحوظِ خاطر رکھ کر عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ رجعت شمس اگر ہوتی تو اُس دن ہوتی جب خود آنحضرت ﷺ اور تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی چار نمازیں قضا ہو گئی تھیں۔ لہٰذا اس روایت پر عقلی اعتبار سے وہ اعتراض لازم آتا ہے جسے اربابِ منطق ترجیح بلا مرجح کہتے ہیں۔ فافہم وتدبّر!

(۷۴) یہ کم سواد عرض کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ بحیثیت رسول ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ اسلام میں کوئی سر (بھید) نہیں' کوئی راز نہیں 'کوئی خفا نہیں 'کوئی رمز و کنایہ نہیں۔ برعکس ایں اس کی تعلیم بالکل واضح' بین اور عیاں ہے اور اس کی پیش کردہ کتاب بھی بالکل واضح اور روشن اور جلی ہے۔ چنانچہ: {تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ} میرے دعوے پر شاہد ہے۔ یہ اسرار و رموز تو باطنیہ نے اسلام میں داخل کیے ہیں جن میں جہلاء گرفتار ہو گئے اور اللہ ورسولؐ سے بیزار ہو گئے۔ (یوسف)

میرا مقصد اس اقتباس سے یہ ثابت کرنا تھا کہ میں نے جو کچھ اس بحث میں لکھا ہے اس کی تائید و توثیق ایک ایسے ماہر فن کی طرف سے ہو جائے جس نے اپنی ساری عمر احادیث کے پرکھنے میں گزاری تھی۔ اگر ناظرین ملائے موصوف کی کتاب کا مطالعہ کریں تو جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ اس سے زیادہ خود لکھ سکیں گے' بشرطیکہ تعصب مانع نہ ہو جائے۔

استدراک

بخوفِ طوالت میں نے علم الاعداد کا تعارف نہیں لکھا۔ اب خیال آیا کہ اتنی وضاحت ضرور کر دینی چاہیے کہ باطنیہ نے یہ علم کیوں ایجاد کیا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے عوام کے اَذہان و قلوب کو کسی قیل و قال کے بغیر بہت جلد اور بہت آسانی سے متاثر کیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں اس کی چار مثالیں درج کرتا ہوں:

(۱) شیعوں کے بارہویں مزعومہ امام کی پیدائش ۲۵۶ھ میں بیان کی جاتی ہے۔ اس کی عظمت روحانی کا ثبوت برہان کے بجائے علم الاعداد کی مدد سے مہیا کیا گیا۔ عوام کو بتایا گیا کہ دیکھو! ''نور'' کے عدد بھی ۲۵۶ ہیں' اس لیے ثابت ہوا کہ وہ نور ہے۔

(۲) بہاء اللہ (بانیٔ مذہب بہائی) نے ۱۲۶۱ھ میں ''ظہورِ حق'' ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کے پیروؤں نے عوام کو مسحور کرنے کے لیے دلیل یہ دی کہ دیکھو! یہ ظہور الحق (بہاء اللہ کے لقب) کے عدد بھی ۱۲۶۱ ہی ہیں!

(۳) حی کے عدد ۱۸ ہیں' اس لیے ۱۴ معصومین اور ۴ ابواب یعنی یہ ۱۸ اَفراد بھی زندہ ہیں۔

(۴) بسم اللہ الرحمن الرحیم کے حروف ۱۹ ہیں' اس لیے ۱۹ کا عدد مبارک ہے' اس لیے بہائیوں کا مہینہ ۱۹ دن کا ہوتا ہے۔

(۵) چونکہ ۹ کا عدد کامل ہے اس لیے جس شہر میں ۹ آدمی بہائی ہو جائیں وہاں بہائی محفل قائم کی جا سکتی ہے۔ (ماخوذ از ''باب کی نئی تاریخ'' مؤلفہ برائون' ضمیمہ دوم' صفحہ ۳۲۸ تا ۳۳۹)

قارئین کی آگاہی کے لیے مختصر طور پر یہ کہے دیتا ہوں کہ باطنیہ نے اپنا مذہب جن فلسفیانہ افکار و تصورات کی مدد سے مدوّن کیا تھا ان میں فیثا غورث کے افکار بھی شامل تھے اور جیسا کہ فلسفے کے ہر طالب علم کو معلوم ہے کہ فیثا غورث نے اپنے فلسفے کی بنیاد اعداد پر رکھی تھی

اور یہ قول کہ ۹ کا عدد کامل ہے' اسی کا ہے۔ مزید معلومات کے لیے مغربی فلسفے کی کسی مستند تاریخ کا مطالعہ کر لیا جائے۔

اس عاجز نے اس مضمون میں کئی جگہ یہ لکھا ہے کہ:

(ا) صوفیا بالعموم صیرفیٔ حدیث نہیں ہوتے' اس لیے اکثر مواقع میں مقولے اور حدیث میں فرق نہیں کر سکتے۔

(ب) بزرگانِ سلسلہ کے ملفوظات پر تنقید سوئِ ادب سمجھتے ہیں' یعنی جو باتیں ان سے منسوب کردی جاتی ہیں انہیں بلا تحقیق قبول کر لیتے ہیں۔

چونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ قارئین میرے اس رجحان یا نقطۂ نظر کو گستاخی پر محمول کریں گے اور اس طرزِ

یان کو ''چھوٹا منہ بڑی بات'' سے تعبیر کریں گے' اس لیے میں ذیل میں ایک ایسے شخص کے ارشادات درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو اگر ایک طرف دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث تھا تو دوسری طرف سلوک تصوف میں اتنا بلند مقام رکھتا تھا کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمہ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا تھا کہ میں ان کی لفش برداری کے لائق بھی نہیں ہوں۔ میری مراد حضرت اقدس سیدی و مرشدی شیخ العرب والعجم مولانا الحاج الحافظ سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ علیہ سے ہے' جنہوں نے ۱۴ سال تک مسجد نبوی میں حدیث کا درس دیا تھا۔ حضرت اقدس اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''صوفیہ کی کتابوں میں ''رجعنا من الجهاد الأصغر الى الجهاد الأكبر''کو صحیح حدیث کہا گیا ہے' لیکن عسقلانی کا قول ہے کہ امام نسائی نے اسے ابراہیم بن عیلہ کا کلام بتایا ہے۔ الفاظ کی رکاکت زبردست قرینہ ہے کہ یہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کا قول نہیں ہوسکتا اور نہ حدیث کی متداول کتابوں میں شاہ عبدالعزیزؒ جیسے متبحر محدث نے دیکھا ہے۔ پس احادیث و غیر احادیث کا فیصلہ محدثین کے اصول و قواعد کی رو سے کیا جائے گا۔ کیونکہ ہر فن میں صاحب فن کی رائے اگر تسلیم نہ کی جائے تو امان اٹھ جائے گا اور شریعت کا بھرم جاتا رہے گا۔ بے چارے صوفیہ جن پر حسن ظن کا غلبہ ہوتا ہے' بھلا ان حضرات کو تنقید و تفتیش کی کہاں فرصت اور انہیں نہ اس کی عادت ہے۔ پس جو سن لیا یا دیکھ لیا' اسے باور کر لیا۔ ان کے اس حسن ظن سے کسی قول کا حدیث رسولؐ ہونا ثابت نہیں ہو جائے گا۔'' (مکتوبات شیخ الاسلام' جلد اوّل' صفحہ ۳۰۷و۳۰۸)

اگرچہ میرے زاویہ نگاہ کی تصویب و تصدیق کے لیے یہی اقتباس کافی ہے' تاہم مزید اطمینان

کے لیے ایک اور اقتباس پیش کیے دیتا ہوں۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں:

''عرض ہے کہ یہ اکابر (حضرت بابا فریدؒ اور حضرت محبوبِ سبحانیؒ) علم طریقت اور تصوف کے ائمہ عظام ہیں لیکن علم ظاہر اور شریعت کے امام نہیں ہیں۔ اس کے امام حضرات ابوحنیفہ و ابویوسف اور دیگر فقہائے کرام رحمہم اللہ ہیں۔ اس بارے میں (سجدۂ تعظیمی کے بارے میں) ان حضرات کا قول و فعل حجت ہو گا۔ حضرات شیخ عبدالقادر جیلانی' جنید بغدادی' خواجہ بہائو الدین نقشبندی اور خواجہ معین اجمیری رحمہم اللہ کے اقوال' فتاویٰ اور اعمال حجت نہیں ہوں گے' اگرچہ یہ حضرات علم طریقت کے سب سے اونچے پہاڑ ہیں۔'' (مکتوب ۸۸' از مکتوبات شیخ الاسلام' جلد سوم' صفحہ ۲۳۵)

حضرت اقدسؒ کے ان ارشادات اور ان کی تصریحات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ میرا زاویہ نگاہ بالکل درست ہے۔ الحمد للہ علی ذٰلک۔

میں نے اس مضمون میں کئی جگہ اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اسماعیلیہ باطنیہ فرقے نے صوفیوں کے

لباس میں اپنے خیالات کی اشاعت کی، جس کی وجہ سے خالص اسلامی تصوف میں باطنی روایات اور عقائد کی اس طرح آمیزش ہو گئی کہ آج اکثر سُنّی صوفیاء ان روایات اور ان عقائد کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی تائید میں ایک شیعہ مصنف کی کتاب سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں:

پروفیسر سید حسین نصر (تہران یونیورسٹی) نے حال ہی میں ایک کتاب انگریزی میں لکھی ہے جس کا نام ہےIdeals and Realities of Islam یعنی ''اسلام کے مطامح نظر اور حقائق''۔ وہ لکھتے ہیں:

''منگولوں کے حملے کے دور میں ایران میں اسماعیلی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس عہد میں اسماعیلیت مستور ہو گئی اور بہت سے علاقوں میں صوفیوں کے سلسلوں میں ظاہر ہوئی (تاکہ اس کے دعاۃ مخالفت سے محفوظ رہ سکیں)۔ دراصل اس زمانے میں تصوف اور اسماعیلیت میں اتحاد کی ایک مستقل صورت پیدا ہو گئی تھی جس کا تحقیقی مطالعہ ابھی تک نہیں کیا گیا ہے۔'' (صفحہ ۱۵۹، ۱۶۰)

''اثنا عشری شیعیت میں مذہب کے ظاہری اور باطنی پہلوئوں کو بالخصوص اہمیت دی گئی ہے اور اس اعتبار سے وہ تصوف کی ہمنوا ہے۔'' (ص۱۶۰)

''تصوف اور تشیع دونوں کی تعلیم یہ ہے کہ ''نورِ محمدی'' آدم سے لے کر ہر نبی کی ذات

میں موجود رہا ہے۔'' (ص ۱۶۰)

''اسماعیلیت اور تصوف دونوں کی تعلیم یہ ہے کہ اصل اعلیٰ (Supreme Principle) بیک وقت موجود بھی ہے اور فوق الوجود بھی ہے۔'' (ص۱۶۹)

پروفیسر مرزا محمد سعید اپنی محققانہ تصنیف ''مذہب اور باطنی تعلیم'' میں لکھتے ہیں:

''ہماری رائے میں اس بات کے باور کرنے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا کہ اس مقبولیت سے فائدہ اٹھا کر، جو تصوف کو ایران میں بارہویں صدی سے پندرہویں صدی عیسوی تک حاصل تھی، بہت سے نزاری (اسماعیلی) مبلغ، صوفیاء اور درویشوں کے لباس میں عوام کو مسخر کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں''۔ (ص ۳۲۸)

نیز اسی صفحے پر لکھتے ہیں:

''یہ مان لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہو سکتا کہ بعض اسماعیلی مبلغ تصوف کا ظاہری جامہ پہن کر عوام الناس کی ارادت اور عقیدت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے اور بعض جماعتیں مثلاً اناطولیا کے بیکتاشی یا کشمیر کے نوربخشی جو متصوفانہ سلوک وطریقت کا دعویٰ کرتی ہیں، درحقیقت شیعہ باطنیہ خیالات سے ملوث ہیں۔'' (ص ۳۲۸)

* * *